ماہنامہ
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
مسلمان بچے ®
191
لاہور
پاکستان
www.musalmanbachay.com
محرم ۱۴۴۵ / اگست 2023

کامیابی اور کمال

دانائی

ایک قیدی کی حیرت انگیز داستان

کشمیر کہانی

کوئی تو مدد کو آئے

اس کے علاوہ

دلچسپ مستقل سلسلوں

سے مزین رنگا رنگ شمارہ

اور بہت کچھ

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی اخلاقی تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

محرم الحرام ۱۴۴۵ھ بمطابق اگست 2023ء

شمارہ: 1 جلد: 17

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابن مبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

کوئی تو مدد کو آئے	ہمشیرہ کمانڈر اسرار شہید	16
القدس کا بیٹا	محمد فیصل علی	22
ہم کیسے مسلمان ہیں	لائبہ خان	26
اندھیری شب	عمارہ	39
اسلام کا عظیم جرنیل	بنت ابوبکر	45
ہمدرد عالیان	بلال محسن	49
حضرت زینب	دانیال حسن	53
کشادگی	قانتہ رابعہ	57
حضرت عمر فاروق	طارق نعمان	60
سلطان ٹیپو شہید	عبدالحفیظ امیر پوری	67
اللہ کا دوست	کنیز باھو	72
امام اعظم ابوحنیفہ	محمد داؤد	76
ابتدائی طبی امداد	ذیشان فرخ	82
غازی	مولانا محمد مقصود شہید	85

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

''پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا، سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔

(النساء)

حمد باری تعالیٰ

تیرا نام لیتے ہیں غنچے چٹک کر
کلی تیری عظمت کے گن گا رہی ہے
زباں پتے پتے کی اس سے معطر
اسی نام پہ شاخ لہرا رہی ہے
چمن تو حکایت ہے تیری عطاء کی
جو ہر رنگِ گل میں نظر آ رہی ہے
ہوا سر سرائے ترا نام لے کر
فضا پہ عجیب نغمگی چھا رہی ہے
الجھ کر ہوا ٹہنیوں سے شجر کی
ترے نام کے زمزمے گا رہی ہے
ترا نام سورج کی گرمی کا باعث
اسی سے یہ سب روشنی آ رہی ہے
بچالے تو سیماب کو غفلتوں سے
یہی دل سے میرے صدا آ رہی ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچالوں۔

(صحیح بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

کوئی ہے ان کے سوا شافع محشر بولو
کوئی ہے ان کے سوا صاحب کوثر بولو
کس کے سر پر ہے سجی ختم نبوت کی کلاہ
آخری کون ہے اللہ کا پیمبر بولو
اک اشارے سے کیا چاند کو کس نے دو نیم
چاند سے بڑھ کے تھا کس کا رخ انور بولو
ہر نبی آتا تھا اپنے ہی زمانے کے لئے
ہر زمانے کا ہے اب کون پیمبر بولو
سب کتابیں ہوئیں منسوخ جب آیا قرآں
ساری دنیا کا ہے قرآن ہی رہبر بولو
کلمہ کیوں نہ پڑھیں اس کا کہ ہم ہیں انساں
کلمہ پڑھتے تھے اس شخص کا پتھر بولو
کس کی گستاخی پہ تھی سورۂ تبت اتری
کس کے دشمن کو کہا تھا ''ھوالابتر'' بولو

ایک دُعا یاد کیجئے

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَالَ: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَ اَنْتَ نَصِیْرِیْ ، بِکَ أَحُوْلُ وَ بِکَ اَصُولُ وَ بِكَ اُقَاتِلُ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ کے لئے تشریف لاتے تو فرماتے: "اے اللہ! تو ہی میرا بازو اور مددگار ہے، تیری ہی مدد سے میں چلتا پھرتا ہوں، اور تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں قتال کرتا ہوں (سنن ابی داؤد)

ایک حدیث یاد کیجئے

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ (ترمذی)

کن راہوں پہ چل نکلے ہو؟

(انتخاب: محمد عصمت اللہ)

یارانِ وطن کچھ سوچ تو لو
کن راہوں پہ چل نکلے ہو

جو راہیں ہیں تاریک بہت
گمراہی کے نزدیک بہت
دانا بھی جہاں پھنس جاتے ہیں
وہ پھندے ہیں باریک بہت

وہ راہیں آتش و آہن کی
ہے راکھ جہاں ہر خرمن کی
جہاں شعلے ہر سو رقصاں ہوں
کوئی بات کرے کیا گلشن کی!

جہاں زنداں اور زنجیریں ہیں
جہاں ظلم کی ہی تحریریں ہیں
کافر ہیں جہاں معصوم مگر
حق والوں کو تعزیریں ہیں

جہاں آنسو، چیخیں ، آہیں ہیں
ہر سو ناپاک نگاہیں ہیں
جہاں عصمت ، دولت لوٹنے کو
ہر استحصال کی راہیں ہیں

یاران وطن کچھ سوچ تو لو
کن راہوں پہ چل نکلے ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلسَّلامُ عَلَیکُم

محض پندرہ سال عمر کا ایک چھریرے بدن کا معصوم سے چہرے والا بچہ.....

آنکھوں سے ٹپکتی ذہانت اور بلند عزائم.....

چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ جیسے کوئی پھول کھلا ہو.....

پہلو میں بیلٹ کے ساتھ ''گلاک''، پسٹل بندھا ہوا.....

نام ''امجد الفاید''.....

بالکل ان کروڑوں بچوں کی طرح کا ایک بچہ جو ہر گلی اور محلے میں ہوتے ہیں اور اپنی ذہانت، شرارتوں اور مسکراہٹوں کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں لیکن اس کا تعارف کچھ منفرد ہے۔

دو سال سے اسرائیلی فورسز کے مطلوب ترین افراد میں ایک.....

جنین کے پناہ گزین کیمپ میں ''صائد''، یعنی شکاری کے لقب سے مشہور.....

پھرتی، چالاکی اور نشانہ بازی میں ضرب المثل.....

یہ بچہ جنین پر اسرائیل کی تازہ جارحانہ کاروائی میں جام شہادت نوش فرما گیا.....

کروڑوں میں سے ایک ہونے اور کروڑوں میں ایک ہونے کا کیا مطلب ہے اور ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہے؟.....

امجد الفاید کو دیکھ کر اور اسکا تعارف پڑھ کر بخوبی سمجھ آیا.....

اربوں مسلمانوں میں اور ان میں امجد الفاید کی عمر اور جسامت کے کروڑوں.....

لیکن نہ کوئی وزن، نہ قیمت.....

نہ رعب، نہ دبدبہ..... نہ نام نہ مقام.....

وجود اور ہجوم برابر..... ہر بچہ اپنے جیسے کروڑوں میں سے ایک ہے.....

لیکن ان کروڑوں میں ایک ''الفاید'' ہوتا ہے، جو داستان بنتا ہے اور ایک مثال بن کر زندہ رہتا ہے.....

اسلام کی تاریخ ہر عمر کے ایسے ناموں سے بھری ہوتی ہے جو اپنے اپنے زمانوں میں'' کروڑوں میں ایک'' ہوئے ان میں سیدنا علی و زبیر رضی اللہ عنہما سے ''امجد الفاید'' تک بچوں کا بھی ایک حسین باب ہے.....

کون ہے جو اپنی قدر پہچانے، اپنا مقام جانے اور اس روشن خانے میں اپنا نام درج کرانے کی فکر کرے۔

مسلمان بچے کے قارئین ان ناموں کو پڑھا کریں، ان کے کارنامے ذہن نشین کیا کریں ،ان جیسا بننے کی دعاء اور کوشش کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

دانائی

محمد ابوبکر

یہ قیدی سپاہیوں کے لئے بڑا قیمتی تھا۔ وہ انہیں تمام قیدیوں میں سب سے زیادہ معزز اور بہادر لگتا تھا، انہوں نے اسے دوسرے قیدیوں سے علیحدہ کرلیا۔ وہ اسے بڑی حفاظت کے ساتھ زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود انہیں یہ دھڑکا ہر لمحے لگا ہوا تھا کہ کہیں یہ قیدی ان کی گرفت سے نکل کر بھاگ نہ جائے۔

مگر وہ قیدی اس قدر اطمینان اور بے فکری سے ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ دیکھنے والا کبھی یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے، دراصل یہ قیدی اپنے ساتھیوں کے بغیر بھاگنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، یہ قیدی اس لیے قیمتی تھا کہ رومی سپاہیوں کے ایک علاقائی حاکم نے اعلان کررکھا تھا کہ مجھے عرب قوم کا ایسا شخص زندہ حالت میں چاہیے جو ان کے بڑے لوگوں میں سے ہو اور یہ قیدی اسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جس کا مطالبہ حاکم نے کیا تھا۔

دراصل ہوا یہ تھا کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ محاذ جنگ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ غلطی سے رومی علاقے میں چلا گیا اور گرفتار ہوگیا۔

اب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ رومی

حاکم کی تمام شرائط پر پورا اُترتے تھے، اس لیے سپاہیوں کو یقین تھا کہ وہ اسے حاکم کے حضور پیش کر کے انعام حاصل کریں گے۔ ایک روایت کے مطابق یہ حاکم کوئی اور نہیں بلکہ قیصر روم ہی تھا۔

جب اس قیدی کی خبر حاکم تک پہنچی تو اس نے ان سپاہیوں کو انعام دیا جنھوں نے اسے گرفتار کیا تھا اور حکم دیا کہ اسے جلد از جلد دربار میں پیش کیا جائے۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اگلے ہی دن بیڑیوں میں جکڑے بھرے دربار میں بادشاہ کے سامنے تھے، اس وقت ان کے چہرے پر ایک عجیب اطمینان اور سکون تھا۔

دربار میں موجود دشمن قوم کے افراد قیدیوں کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اکثر کے چہروں پر نفرت اور تکبر کے جذبات دیکھے جاسکتے تھے۔ قیصر نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو گہری نظروں سے دیکھا اور اس سے پوچھا کہ وہ کس مذہب اور کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنا مذہب، قوم اور نام بتایا۔ اس کی تسلی ہوئی کہ مطلوبہ شخص ہی اس کے سامنے ہے۔ اس کے بعد وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا:

''اے قیدی! میرے پاس تمہارے لیے ایک تجویز ہے۔''

''وہ کیا ہے؟'' انہوں نے بے نیاز ہو کر پوچھا

''تم اپنا مذہب چھوڑ کر میرا مذہب اختیار کر لو! ایسا کرنے پر میں تمہیں آزاد کر دوں گا اور تم ان درباریوں کی طرح معزز اور مرتبے والے بن جاؤ گے''

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے سوچنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور جواب دیا:

''اے بادشاہ! یہ ناممکن ہے۔ میں ہزار دفعہ موت کو سینے سے لگانے کے لیے تیار ہوں لیکن اپنا مذہب چھوڑ کر تمہارے مذہب کو اختیار نہیں کر سکتا''

''بہت خوب! تم واقعی بہادر ہو اور یہی کچھ میں نے تمہاری قوم کے متعلق سنا تھا لیکن میرا مشورہ تمہیں یہی ہے کہ میرا مذہب مان لو! انعام کے طور پر میں تمہیں اپنا خاص وزیر بنالوں گا'' دین بدلنے کی یہ رشوت بہت زیادہ تھی۔ لیکن عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح بے نیازی سے بولے:

''خدا کی قسم! تم دین بدلنے کے عوض مجھے اپنی پوری سلطنت کے ساتھ، میرے اپنے وطن کی بھی بادشاہت دے دو تو پھر بھی مجھے تمہاری پیش کش قبول نہیں۔''

زنجیروں سے بندھے ایک بے بس قیدی کے اس جواب پر پہلی مرتبہ بادشاہ کے چہرے پر غصے کے آثار آئے۔ وہ بھڑک کر بولا:

''میں تمہیں قتل کرادوں گا۔''

جواب ملا: ''ضرور کروالیکن یہ توقع مت رکھنا کہ میں اپنا دین بدل لوں گا''

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ قرآن میں وارد ہوئی اس آیت کو خوب جانتے تھے، جس میں جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ اجازت سورہ انفال میں ان الفاظ میں دی گئی ہے کہ:

''جو اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے گا، بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے گا تو اس پر اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔

سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آیت کی رو سے وہ اگر محض زبان سے قیصر کی فرمائش پوری کر دیں گے تو ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا لیکن وہ جانتے تھے اپنی جان بچانے کی خاطر اس رعایت سے شاید ہی کسی مسلمان نے فائدہ اٹھایا ہو! اس لیے انہوں نے عزیمت کی راہ اپنائی اور قیصر کی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

''اس کو پھانسی پر چڑھا دو'' بادشاہ نے چیخ کر حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے وزیر کو بلایا اور قیدی کی ہلاکت کے بارے میں کچھ خصوصی ہدایات دیں۔ وزیر نے حکم جلاد تک پہنچا دیا۔ فوراً ہی قیدی کو ایک تختے سے باندھ دیا گیا اور جلاد تیر کمان ہاتھ میں اُٹھا کر اس کا نشانہ لینے لگا۔ اس نے بڑی احتیاط سے نشانہ لیا اور تیر چھوڑ دیا۔ تیر عین نشانے پر لگا۔ ٹھیک وہیں جہاں اسے ہدایت کی گئی تھی۔

بادشاہ نے وزیر کے ذریعے سے حکم دیا تھا کہ تیر قیدی کے دل میں نہیں بلکہ ہاتھ پر مارا جائے کہ اس کا ایک بازو زخمی ہو جائے اور واقعی قیدی کا ہاتھ زخمی ہوگیا تھا۔

درد کی ٹیسیں اُٹھیں اور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی تکلیف کی وجہ سے پسینے سے بھر گئی لیکن ان کے منہ سے اُف تک نہیں نکلی۔ اس نازک موقع پر بادشاہ نے ایک مرتبہ پھر اسے اپنا دین بدلنے کا مشورہ دیا مگر انہوں نے پوری شدت سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے جلاد کو دوسرا تیر چلانے کا حکم دیا۔ جلاد نے اس مرتبہ تیر چھوڑا تو وہ ان کے دونوں پاؤں کے درمیان میں لگا۔ اس دفعہ بادشاہ نے محسوس کیا کہ قیدی پر خوف کے بادل منڈلانے لگے ہیں۔

اس نے چوتھی مرتبہ اسے اپنے دین سے علیحدگی کا مشورہ دیا مگر قیدی نے پھر انکار کر دیا۔ اب تو بادشاہ کو بہت بے عزتی محسوس ہوئی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہتے ہوئے سوچنے لگا۔ آخر اس نے ایک عجیب حکم دیا۔ بہت ہی خوفناک اور وحشت ناک حکم ''قیدی کو تختے سے اُتار لیا جائے اور بڑی دیگ لا کر اس میں تیل گرم کیا جائے۔''

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھی اور درباری سمجھ گئے کہ بادشاہ انتقام کی خاطر ان کو اس تیل میں ڈال کر زندہ بھون ڈالے گا۔ حکم کے مطابق ایک بڑے میدان میں آگ جلائی گئی۔

اس پر دیگ رکھ کر تیل ڈالا گیا۔ جب تیل کھولنے لگا تو بادشاہ نے انتہائی سفاک آواز میں حکم دیا:

''اس قیدی کی قوم کے دو افراد کو لایا جائے۔''

اس حکم نے پہلی مرتبہ سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو پریشان کر دیا۔ ان کے چہرے پر فکرمندی اور خوف کے اثرات اب واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے اور جب حکم کے مطابق دو قیدی سامنے لائے گئے تو ان کا خون دو چند ہو گیا۔ وہ اپنے بے قصور ساتھیوں کے انجام کو صاف محسوس کر رہے تھے لیکن انھوں نے پچھلے تجربے سے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ قیصر کی صرف گیدڑ بھبکی ہے وہ اصل میں صرف اُنہیں ڈرانا چاہتا ہے، اس لیے وہ خاموش رہے لیکن پھر ان کے ذہن میں آیا کہ کہیں قیصر اس دفعہ سنجیدہ ہی نہ ہو ابھی وہ بادشاہ کو کچھ کہنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ اس کے کانوں میں بادشاہ کے وہ الفاظ گونج اُٹھے جس نے ان کے ایک ایک رونگٹے میں کیل ٹھونک دیئے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سن رہے تھے۔

''ان قیدیوں کو اس کھولتے تیل میں پھینک دیا جائے۔''

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ لیکن حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے دہشت ناک منظر دیکھا تھا۔ ان کے دو ساتھیوں کو تیل میں پھینک دیا گیا تھا اور وہ بے بسی کی تصویر بنے انہیں پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ وہ دونوں مجاہد چشم زدن میں زندگی سے آزاد ہو گئے۔ بادشاہ کی آنکھوں کی شیطانی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ وہ پھنکارتے ہوئے بولا:

''اے قیدی! اب تیرے لیے آخری موقع ہے۔ اب بھی چھوڑ دے اپنے دین کو اور موت کے بجائے زندگی قبول کر لے''

سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نفرت، غصے اور حقارت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ کی ضد بھی ختم ہو گئی اور وہ زور سے چلایا:

''پھینک دو اس گستاخ کو دیگ میں''

سپاہیوں نے انہیں پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے تیل کی دیگ کے قریب لے آئے۔ اس موقع پر بادشاہ اور اس کے درباریوں نے عجیب منظر دیکھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ بادشاہ کو پہلی مرتبہ اپنی ضد کی فتح کے آثار دکھائی دیئے۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر سپاہیوں کو روکا دربار میں شور مچ گیا۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے:

''دیکھو قیدی رو رہا ہے۔۔۔ موت اور وہ بھی اس قدر خوف ناک موت ۔۔۔ یقیناً موت کی تکلیف کا تصور کر کے رو رہا ہے۔۔۔''

بادشاہ نے قیدی کو قریب لانے کا حکم دیا۔ شاید وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ قیدی واقعی رو رہا ہے۔

قیدی سچ مچ رو رہا تھا۔

''تمہارے پاس آخری موقع ہے''

''نہیں اے ظالم بادشاہ! میں تمہارا مذہب ہرگز قبول نہیں کروں گا۔''

''تو پھر تم رو کس بات پر رہے ہو؟''

سیدنا عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو کچھ کہا اس سے بادشاہ ہی نہیں دربار کا ہر آدمی حیران ہو گیا۔

''میں تو اس حسرت پر رو رہا ہوں کہ کاش میرے پاس ایک سے زیادہ جانیں ہوتیں ۔۔۔ ایک لاکھ جانیں ہوتیں ۔۔۔ اور میں ہر جان اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر خدا کی راہ میں قربان کر دیتا۔ مگر افسوس میرے پاس تو ایک ہی جان ہے ۔۔ بس اس محرومی پر رو رہا ہوں۔''

دربار پر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ یوں لگتا تھا کہ وقت ٹھہر گیا ہو، زندگی کی سانس رک گئی ہو، منظر ایک تصویر بن گیا ہو، ماضی اور مستقبل ختم ہو کر صرف لمحہ موجود بن گیا ہو۔ بادشاہ بھی بت بنا اس عجیب و غریب قیدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھلا ایسا انسان زندگی میں کہاں دیکھا ہو گا لگتا تھا قیدی کی اس بات نے اس کے دماغ پر اثر کر دیا تھا۔ اس نے بھی ایک عجیب بات کہی۔ ایک بہت ہی عجیب بات! کہنے لگا:

''اے قیدی! اگر تم میرا سر چوم لو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔'' سیدنا عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے بے یقینی سے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا:

''کیا تم میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی چھوڑ دو گے؟''

''ہاں! میں تمہارے سارے ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔''

تب انہوں نے پہلی مرتبہ قرآن کی دی گئی رعایت سے فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ ان کے سامنے قرآن کی ایک نہیں کئی آیات آ گئی تھیں۔

''جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک کو بچایا اس نے گویا سب انسانوں کو بچا لیا۔'' (۵:۳۲)

''پھر جو بھوک سے مجبور ہو کر کوئی حرام چیز کھا لے، بغیر اس کے کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہو تو اللہ بخشنے والا ہے، وہ سراسر رحمت ہے۔'' (مائدہ)

وہ سوچ رہے تھے کہ یہ بادشاہ جتنا ظالم ہے، اتنا ہی بزدل ہے۔ ڈر رہا ہو گا کہ جس دین پر ایمان رکھنے والے اس قدر بااصول اور بے خوف ہیں وہ کس قدر نڈر اور بہادر ہوں گے اور اگر میں نے ان کے اہم آدمی کو یوں بے رحمی سے مار ڈالا تو یہ لوگ میری سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے اس نے یہ بے تکی شرط رکھ دی ہے یا شاید اس نے میرے دین بدلنے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے اور

اس میں ناکامی کے بعد اب محض بچوں کی سی ضد پر آ گیا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ میرے ہاتھوں اپنی شکست کے بعد اب میں بھرے دربار میں اس کا سر چوم کر اس کی عزت اور اپنی ذلت کا اظہار کروں لیکن اگر میں نے اس کی یہ بے تکی ضد مان لی تو اس سے میرے دین پر تو کوئی حرف نہیں آئے گا مگر میرے قیمتی ساتھیوں کی جانیں بچ جائیں گی اور میرا دین اور میرے رسول کی سیرت مجھے یہی سکھاتی ہے لہٰذا یہ گھاٹے کا سودا نہیں۔ میرے ساتھیوں کی جانیں میری ذات سے بہت زیادہ قیمتی ہیں۔

یہ سوچ کر انہوں نے اپنی ذات پر ساتھیوں کی جان کو ترجیح دینے کا فیصلہ کیا اور آگے بڑھ کر بادشاہ کے سر کو چوم لیا۔

بادشاہ نے فوراً انہیں اور ان کے باقی ساتھیوں کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کی زبانی سارا واقعہ سننے کے بعد بولے:

"اے عبداللہ بن حذافہ! تم پر ہزار بار رحمتیں نازل ہوں۔"

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور اعلان کیا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ آگے بڑھ کر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا سر چوم لے اور دیکھو میں سب سے پہلے ان کے سر پر بوسہ دیتا ہوں۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور ان کو بوسہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے مکہ میں بہت آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

رضی اللہ عنہ، رضی اللہ عنہ، رضی اللہ عنہ

خوشخبری!!

ماہنامہ مسلمان بچے میں شائع ہونے والا مقبول سلسلہ
"جانباز" کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

کتاب حاصل کرنے اور
ایڈوانس بکنگ کے لئے رابطہ کیجئے!!

صرف واٹس ایپ نمبر: 03136555044

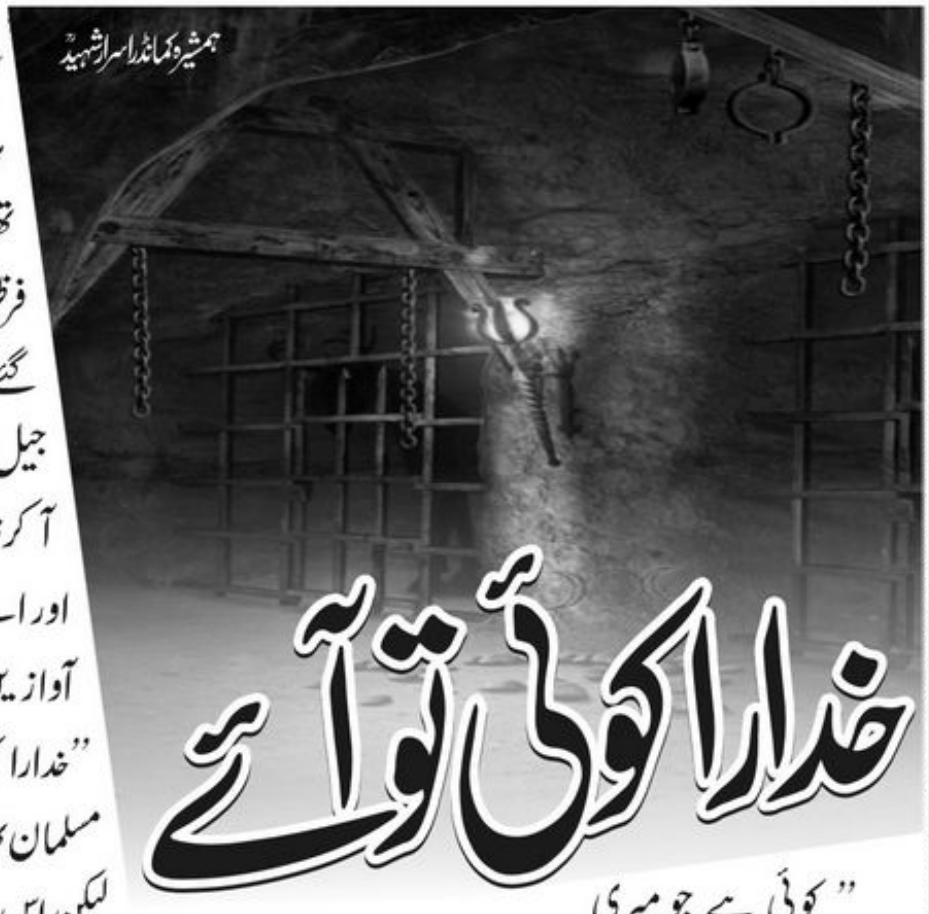

خدارا کوئی تو آئے

”کوئی ہے جو میری مدد کو آئے۔ خدارا کوئی تو آئے اے میرے مسلمان بھائیو!“

فضاء میں ایک چیخ بلند ہوتی ہے اور پھر ہر طرف چیخیں ہی چیخیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ وہ عورت دوبارہ صدائیں لگانا شروع ہوجاتی ہے۔

”خدارا کوئی تو آئے“

لیکن اس کی آواز چیخوں میں دب کر رہ جاتی ہے۔ یہ بدنام زمانہ بھارت کی جیل ہے۔ یہاں ہر روز کبھی کسی مسلمان ماں بہن بیٹی پر ظلم ہوتا ہے تو کبھی کسی پر۔ مائیں بہنیں چیختی اور فریاد کرتی رہ جاتی ہیں لیکن امت مسلمہ کے نوجوان خاموش ہیں۔ یہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اپنی ہی دھن میں مگن۔ انہی فریاد کرتی بہنوں میں ایک جواں سالہ عورت بھی تھی جس پر ہر روز ظلم و تشدد کیا جاتا تھا۔ آج بھی جب کا فر ظلم و تشدد کر کے چلے گئے تو وہ جوان سالہ عورت جیل کی سلاخوں کے پاس آ کر زور زور سے رونے لگی اور اپنے مسلمان بھائیوں کو آوازیں دیتی ہے۔

”خدارا کوئی تو آئے، اے مسلمان بھائیو!“

لیکن اس کی چیخ و پکار اس جیل تک محدود ہوجاتی ہے۔

◆◆◆◆

”حنظلہ! حنظلہ بیٹا! جلدی کرو! آپ کے مدرسہ کا ٹائم ہوگیا۔“

”جی امی جان! چلیں!“ ننھے حنظلہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”حنظلہ بیٹا! سعدیہ اور حلیمہ کہاں ہیں؟“

”امی جی! ہم تو کب سے تیار ہیں۔“ سعدیہ اور حلیمہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلو بیٹا! جلدی کرو!“ یہ کہتے ہوئے عدن فاطمہ نے اپنے تینوں بچوں کا ہاتھ پکڑا اور گھر سے باہر نکل گئی۔

◆◆◆◆

عدن فاطمہ ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ عدن اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ عدن کے ابو نے عدن فاطمہ کی شادی ایک نیک لڑکے سے کر دی تھی۔ عدن فاطمہ کے والد اس کی شادی کے تین ماہ بعد ہی انتقال کر گئے تھے۔ عدن فاطمہ کی والدہ بھی کینسر کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ اس کے والد کے ڈیڑھ سال بعد عدن کی والدہ بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوگئی۔ عدن فاطمہ کے شوہر ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ جس سے ان کی زندگی کا گزر بسر ہو رہا تھا۔

عدن فاطمہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ سعدیہ اور حلیمہ، سعدیہ دس سال کی تھی اور حلیمہ اس سے ایک سال بڑی تھی۔

ان دونوں بہنوں کے بعد عدن فاطمہ کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام انہوں نے حنظلہ رکھا۔ حنظلہ کے اس دنیا میں آجانے سے عدن اور اس کے شوہر کی خوشیوں میں اضافہ ہوگیا۔ ابھی حنظلہ تین ماہ کا تھا کہ حنظلہ کے ابو ایک ٹریفک حادثے میں وفات پاگئے۔ اپنے شوہر کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد عدن فاطمہ نے نہایت صبر سے کام لیا اور نہایت بلند ہمتی سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا۔ عدن فاطمہ کو شروع ہی سے دین سے محبت اور لگن تھی۔ اسی وجہ سے اس نے خود بھی قرآن پاک حفظ کیا تھا اور اپنے تینوں بچوں کو بھی مدرسہ میں داخل کروا دیا تھا۔ کیونکہ مدرسہ گھر سے کافی دور تھا اس لیے وہ خود اپنے بچوں کو چھوڑنے اور لینے جاتی تھی۔

◆◆◆◆

آج پھر اس جواں سالہ عورت پر کافر نے ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے تھے۔ پوری جیل اس کی خوفناک چیخوں سے گونج رہی تھی۔

''مجھے جانے دو! میرے بچے نجانے کس حال میں ہوں گے۔'' اس جواں سالہ عورت نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اچانک اس کے نازک چہرے پر ایک زوردار تھپڑ لگا۔ اور ساتھ ہی کافر چلایا۔

''اپنی بکواس بند کرو! تیرا ایسا حال کریں گے بچے کیا سب کچھ بھول جائے گی۔'' وہ کافر فوجی غصے سے دھاڑا۔

''تمہارے بس میں کچھ نہیں ہے سوائے ہم پر ظلم وتشدد کرنے کے، لیکن تمہارے تھوڑے دن ہیں۔ ابھی میرے بھائی آ ہی رہے ہیں تم سے ایک ایک بدلہ لیں گے۔'' اس جواں سالہ عورت نے غصہ سے کہا۔

وہ ہندو فوجی چیختے ہوئے بولا:

''ارے تمہارے مسلمان بھائی نہیں آئیں گے۔ پہلے ہم نے عافیہ کو اپنی قید میں لیا اب تمہیں اور اتنی ہماری قید میں ہیں اور پھر لیتے جائیں گے۔ تمہارے بھائی نہ پہلے ہم تک پہنچ سکے تھے نہ اب پہنچ سکیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ کافر جیل سے باہر نکل گیا جبکہ وہ جواں سالہ عورت وہیں سکتہ میں آ گئی۔ اس کے ذہن میں ہندو فوجی کی آوازیں گونجنے لگی۔

''ہم نے پہلے عافیہ کو اپنی قید میں لیا، اب تمہیں اور تمہاری مسلمان بہنیں ہماری قید میں ہیں، تمہارے بھائیوں نے نہ پہلے کچھ کیا نہ اب کریں گے۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ میرے بعد اب تم کسی مسلمان ماں، بہن، بیٹی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ میرے بھائی آتے ہوں گے وہ مجھے بھی لے جائیں گے، عافیہ کو بھی تم دیکھ لینا وہ ضرور آئیں گے۔'' جواں سالہ عورت نے چیختے ہوئے کہا، پوری جیل میں اس کی آواز گونج رہی تھی لیکن کوئی نہیں تھا جو اس کی آواز کو سنتا۔

◆◆◆◆

''آپی جی! امی ابھی تک نہیں آئیں۔ کافی دو پہر ہوگئی ہے۔'' ننھے حنظلہ نے معصومیت سے کہا۔

''نہیں بھائی! امی نے کبھی اتنی دیر نہیں لگائی آج پتہ نہیں کیا ہوا۔'' تینوں بچے ایک درخت کے سائے میں کھڑے تھے۔ اتنے میں دور سے انہوں نے اپنی امی کو آتے ہوئے دیکھا۔

''بھیا! وہ دیکھو! امی جی آگئیں۔'' سعدیہ خوشی سے بولی۔ تینوں بچے خوشی سے ماں سے لپٹ گئے۔

''امی جان! آج آپ نے دیر کر دی ہم تو پریشان ہی ہو گئے تھے۔'' حلیمہ نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! آج کچھ دیر ہوگئی، کوئی کام نکل آیا تھا۔ اچھا جلدی چلو کافی دو پہر ہوگئی ہے۔'' عدن فاطمہ نے اپنے تینوں بچوں کا ہاتھ پکڑا اور ایک بس میں سوار ہوگئی جو ان کے گھر کی طرف ہی جا رہی تھی۔

◆◆◆◆

''ہمیں آرڈر آیا ہے کہ جلد سے جلد اس عورت کو ہمارے حوالے کیا جائے۔''

''آپ اس کی فکر ہی نہ کریں میں آپ کا کام کر دوں گا لیکن میری رقم ذرا جلدی مل جانی چاہیے۔''

''ہاں! ہاں! میں تمہیں کل ہی لا دوں گا۔ بس ذرا جلدی میرا کام ہو جائے۔''

دو انجانے شخص بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور وہ اس سیٹ پر بیٹھے تھے جو عدن فاطمہ سے پیچھے تھی۔ عدن فاطمہ نے ان کی تمام گفتگو کو سن لیا تھا اور ایک انجانہ خوف اس کے دل میں اتر آیا تھا۔

وہ اس سوچوں میں گم تھی کہ ننھے حنظلہ کی آواز آئی۔

''امی جان! چلیں گھر آگیا ہے۔'' عدن فاطمہ تیزی سے اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔

◆◆◆◆

آج اس جواں سالہ عورت کی چیخ و پکار کی کوئی آواز نہ آئی۔ آج اس پر ایک اور تشدد آزمایا گیا تھا۔ اس کو بجلی کے شدید جھٹکے دیئے گئے تھے جس کی وجہ سے آج اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی، بس اس کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا جو مشکل سے اس کی زبان سے نکل رہا تھا۔

''خدارا! کوئی تو آئے اے مسلمان بھائیو!''

''حلیمہ بیٹا! جلدی کرو! آج تمہیں جلدی مدرسہ چھوڑنا ہے۔'' عدن فاطمہ نے اپنے بچوں کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

''امی جی! ابھی تو ایک گھنٹہ باقی ہے اتنی جلدی آج کیوں جا رہے ہیں۔

''بس بیٹا! مجھے بعد میں کوئی کام کرنا ہے۔'' اصل میں عدن فاطمہ کے دل میں ایک عجیب سا خوف سوار تھا جب سے اس نے ان دو شخصوں کی گفتگو کو سنا تھا۔

''چلیں امی! ننھے حنظلہ نے پکارتے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹا!''، عدن فاطمہ سوچوں کی وادی سے نکل کر اپنے بچوں کے ساتھ چل پڑی۔ بچوں کو عدن فاطمہ نے گیٹ پر اتارا اور واپس مڑی، لیکن پھر پلٹ کر بچوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''بچو! چھٹی ہو جائے تو جلدی نکل آنا میں تمہیں جلدی لینے آؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ جانے کیلئے مڑی۔ ابھی وہ بس کے انتظار میں تھی کہ اچانک اس کے پاس ایک گاڑی رکی اس میں بہت سے لوگ سوار تھے۔ انہوں نے عدن کو پکڑا اور گاڑی میں ڈال لیا۔ عدن نے چیخنے چلانے کی کوشش کی لیکن عدن کے منہ پر کسی نے رومال رکھا جس کی وجہ سے عدن کا سر چکرایا اور بے ہوش ہوگئی۔

''آپی! اتنی دیر ہوگئی امی جان کیوں نہیں آئیں۔'' ننھا حنظلہ بے تابی سے بولا۔ اکثر اگر ماں کو دیر ہو جاتی تو حنظلہ اسی طرح بے تاب ہو جاتا تھا

''امی آتی ہی ہوں گی۔ امی نے کہا تھا میں تمہیں جلد لینے آؤں گی۔'' سعدیہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ دو بجے سے شام کے چار بج گئے لیکن عدن فاطمہ اپنے بچوں کو لینے نہ آئی تو وہ خود ہی ایک بس میں سوار ہو گئے جو ان کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔

عدن فاطمہ کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک بند کمرہ میں پایا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ ایک جیل نما کمرہ ہے فوراً اس نے اٹھنا چاہا تو اٹھ نہ سکی اس کا جسم درد سے چکنا چور تھا۔ وہ مشکل سے اٹھتی ہوئی دروازہ کی طرف لپکی اور اس کی سلاخوں کو پکڑ کر زور زور سے کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے پکارنے لگی۔

''مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کوئی ہے؟'' لیکن شاید اس آواز کو سننے کیلئے وہاں کوئی نہ تھا۔

''حلیمہ آپی! گھر کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ امی جان کہاں چلی گئیں؟'' یہ کہہ کر حنظلہ رونے لگا اور اس کے ساتھ ہی حلیمہ اور سعدیہ بھی رونے لگیں۔ وہ بار بار اپنی ماں کو آوازیں دیتے رہے لیکن ان کی ماں تو اب ان کے پاس سے کافی دور چلی گئی تھی۔ ان ننھی جانوں کو کیا پتہ تھا کہ اب وہ دوبارہ اپنی ماں کو نہ دیکھ پائیں گے۔

''چلو جلدی کرو! اب اسے یہاں سے بھارت پہنچانا ہے۔'' ایک انجانے شخص کی آواز آئی۔'' عدن فاطمہ نے اس کی آواز سن کر فوراً آنکھیں کھول لیں۔ عدن فاطمہ نے روشندان کی طرف دیکھا تو کافی روشنی پھیل چکی تھی اور دھوپ کی ہلکی ہلکی کرنیں روشندان میں سے اس قبر نما کمرے میں آرہی تھیں۔

عدن فاطمہ جیسے ہی اٹھنے لگی تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے عدن فاطمہ کے ہاتھ باندھ دیئے۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ اس کے منہ پر مضبوطی سے پٹی باندھ دی گئی۔ اچانک ایک شخص کی آواز آئی۔

''لے چلو! اسے جلدی کرو!'' اور پھر عدن فاطمہ کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔

''حنظلہ! کہاں جارہے ہو؟'' سعدیہ نے تیزی سے جاتے ہوئے حنظلہ کو بازو سے پکڑ کر روکا۔

''بہنا! اپنی ماں کو ڈھونڈنے جارہا ہوں اور میں امی کو لے کر ہی آؤں گا۔ آج امی کو گئے تین دن ہو گئے۔ پتہ نہیں میری ماں کس مصیبت میں ہوگی۔'' یہ کہہ کر حنظلہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اتنے میں حلیمہ بھی آگئی،

''بھائی! آپ اکیلے کیوں جائیں؟ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گی۔'' یہ کہہ کر تینوں بہن بھائی باہر نکل گئے۔

''انکل! میری بات سنیں، میری امی تین دن سے لاپتہ ہیں خدارا ہماری مدد کریں۔ میری امی کو ڈھونڈ کر لادیں۔'' حنظلہ نے روتے ہوئے کہا۔ ایک شخص جو سڑک پر کھڑا تھا اس نے حنظلہ کی بات سن کر کہا:

''ارے جاؤ، دفع ہو یہاں سے تیرے جیسے روز دیکھتے ہیں چل اپنا کام کر!'' وہ شخص ان تینوں بہن بھائیوں کو ڈانٹ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بہن بھائی سڑک پر کھڑے رو رہے تھے لیکن آج انہیں چپ کرانے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو ان کی خوشیوں کو واپس لا سکے۔ اچانک ان سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی آکر رکی۔ تینوں اس کی طرف لپکے کہ شاید یہ کچھ مدد کریں۔ ابھی وہ اس گاڑی کی طرف جارہے تھے

کہ ایک تیز رفتار ٹرک آیا اور تینوں بچوں کو کچلتا ہوا آگے نکل گیا۔

حنظلہ کے منہ سے ''ماں'' کا لفظ نکلا اور تینوں کی ننھی روحیں آسمان کی طرف محو پرواز ہوگئیں۔

عدن فاطمہ ایک دم چونک کر رہ گئی۔اس نے حنظلہ کی آواز کو سنا تھا۔ جیسے وہ ''ماں، ماں'' پکار رہا ہو لیکن اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔اور ابھی وہ سفر ہی میں تھی کہ اچانک گاڑی رکی۔شاید اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی۔عدن فاطمہ کو نہایت بے دردی سے گاڑی سے اتارا اور ایک کمرے میں لے جا کر ڈال دیا اور آنکھیں کھول دیں۔

عدن فاطمہ کیا دیکھتی ہے کہ اس کے آس پاس نجانے کتنی عورتیں ہیں اور ان پر ظلم و تشدد کر کر کے برا حال ہو چکا تھا۔عدن فاطمہ کو بھی یہاں لا کر ڈال دیا گیا تھا۔

یہ وہ بھارت کی بدنام زمانہ جیل ہے جہاں اب تک اس جواں سالہ (عدن فاطمہ) پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور اس پر نجانے کیا کیا الزامات لگائے گئے کہ عدن فاطمہ کے ہوش اڑ گئے۔

عدن فاطمہ آج بھی اپنے بچوں کیلئے چیخ رہی ہے۔لیکن اسے کیا پتہ کہ اس کے بچے تو کب سے اس دنیا سے جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔آج عدن فاطمہ کو بھارت کی جیلوں میں قید نجانے کتنے سال ہو چکے ہیں۔لیکن وہ شروع سے لے کر آج تک جیل کی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور مسلسل یہ صدا لگانا شروع ہو جاتی ہے۔

''خدارا! کوئی تو آئے اے مسلمان بھائیو!''

اسے آج بھی یہ امید ہے کہ اس کے بھائی آئیں گے اور اسے آ کر یہاں سے لے جائیں گے اور عدن ہی نہیں عافیہ صدیقی نور فاطمہ اور نجانے کتنی بہنیں اپنے بھائیوں کی راہیں تک رہی ہیں۔

◆◆◆◆

''بھائیو! دیر نہ کرو! کہیں عدن فاطمہ تمہیں پکارتے پکارتے اس دنیا سے ہی نہ چلی جائے اور پھر جب قیامت قائم ہو اور تم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو اور تمہارا گریبان ہو اور عدن فاطمہ کا ہاتھ ہو۔عافیہ صدیقی کا ہاتھ ہو۔نور فاطمہ کا ہاتھ ہو۔

تو بھائیو! دیر نہ کرو! خدارا! دیر نہ کرو! جاؤ! اور اپنی عفت مآب بہنوں کو چھڑا لو! ان کی پکاروں پر لبیک کہہ دو! ان شاء اللہ تم جاؤ گے۔

اے عدن فاطمہ! تیرے بھائی تجھے لینے جلد آئیں گے۔میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچا دیا ہے۔

اے عافیہ صدیقی! تو غم نہ کر!

ان شاء اللہ تیرے بھائی تجھ پر کئے گئے ایک ایک ظلم کا بدلہ چکائیں گے۔

(ان شاء اللہ تعالیٰ)

◆◆◆◆

فلسطین کہانی

اقصیٰ کا بیٹا

محمد فیصل علی

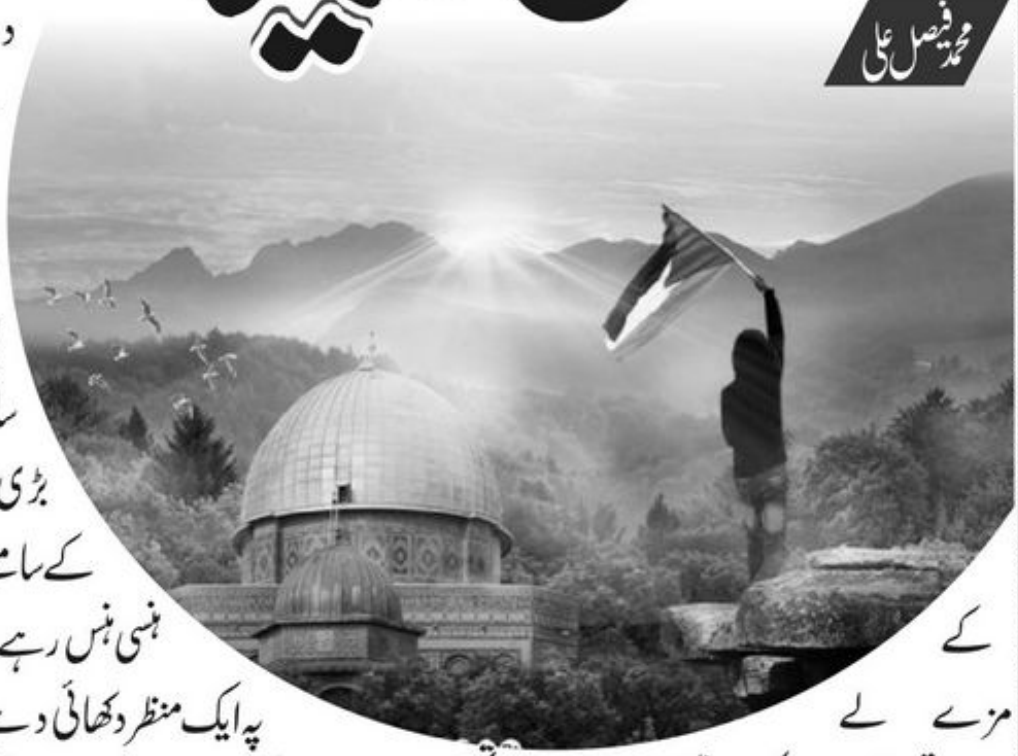

یہ ساحل سمندر کے نزدیک واقع ایک چھوٹا سا شہر مطروف تھا۔اس کی آبادی چند ہزار نفوس پہ مشتمل تھی۔ یہ بہت خوب صورت شہر تھا۔ یہاں کی زمین خاصی زرخیز تھی،اس لیے چہار سو گل پودوں کی بہاریں نظر آرہی تھیں۔ یہ اتوار کی صبح تھی۔شہر کے باسی خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔آج ان کی بے فکری قابل دید تھی اور وہ سب گھوڑے بیچ کر گہری نیند میں غرق تھے۔اچانک زمین پہ لرزہ سا طاری ہوا اور زمین ہلنے لگی اور پھر یہ لرزہ ایک خوف ناک زلزلے میں بدل گیا۔عجیب بات یہ تھی کہ یہ زلزلہ پورے شہر میں نہ تھا بلکہ یہ صرف شہر کے ایک حصے کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ہر چیز بری طرح ہل رہی تھی اور پھر عمارتوں میں لگے الرٹ الارم ہولناک آواز سے بج پڑے۔اس قیامتِ صغریٰ پہ ایک منٹ سے بھی کم عرصے میں لوگ جاگ گئے۔اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتے اور کہیں پناہ لیتے،ایک شدید قسم کا بھونچال آیا اور اس لہر نے پورے حصہء زمین کو تہ و بالا کر دیا اور ہزاروں چیخیں ملبے تلے دب کر رہ گئیں

◆◆◆

پروفیسر انتھونی اور اس کے ساتھی ایک بڑی سی سکرین کے سامنے بیٹھے شیطانی ہنسی ہنس رہے تھے۔اسکرین پہ ایک منظر دکھائی دے رہا تھا۔اس منظر میں ایک بڑی سی آبدوز نما مشین نظر آرہی تھی۔اس آبدوز نما مشین کے آگے بڑے بڑے

فولادی پر لگے ہوئے تھے۔اچانک مشین میں زندگی کے آثار دکھائی دیئے اور وہ زمین کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔اگرچہ وہ مشین کافی وزنی دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کی رفتار حیران کن حد تک تیز تھی۔اس کے حرکت میں آتے ہی پروفیسر انتھونی نے سامنے پڑی میز پہ لگے بٹنوں میں سے ایک بٹن دبایا تو دیوار پہ لگی سکرینیں روشن ہوتی چلی گئیں۔ان سکرینوں پہ زمین کی سطح پر آنے والے زلزلے کے مناظر نظر آرہے تھے۔چاروں طرف تباہی پھیلی ہوئی تھی اور بڑی بڑی عمارتیں زمین بوس ہوتی جارہی تھیں۔

''ہاہاہاہاہاہاہا!!!ہم کامیاب ہو گئے!!''

پروفیسر انتھونی نے مکروہ انداز میں قہقہہ لگایا اور باقی سائنس دان بھی تالیاں بجانے لگے۔

''پروفیسر!اگر یہ آبدوز زیرزمین ایک ایٹم بم بھی لے جاتی تو کیا ہوتا؟''

ایک سائنس دان نے پوچھا

''تو پھر مطروف شہر کے ذرے تک فضا میں بکھر چکے ہوتے پروفیسر!!''

پروفیسر انتھونی نے سرد لہجے میں جواب دیا

''بالکل !اور اگر ہم اسے ساحل سمندر میں سمندر کی تہہ میں لے جائیں اور وہاں پہ بلاسٹ کیا جائے تو شدید سونامی آجائے''

ایک اور سائنس دان نے انتھونی کی تائید کی

''ممم اب ہم اسے کہاں استعمال کرنے والے ہیں۔''

تیسرا سائنس دان بولا

اسی لمحے تیز سیٹی سنائی دی اور بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو ایک پراسرار شخص تھری پیس سوٹ زیب تن کیے شان وشوکت سے چلا آرہا تھا۔اس کے چہرے پہ نفیس عینک سجی تھی۔اس کے دائیں بائیں دو مسلح افراد چلے آرہے تھے۔اس پہ نظر پڑتے ہی سبھی سائنس دان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔آنے والا ان سب کا باس معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو مسلح باڈی گارڈ وہیں رک گئے اور وہ شیشے کے بنے کیبن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔اس کے پیچھے تمام سائنس دان بھی اس کیبن میں گھستے چلے گئے۔یہ ان کا میٹنگ روم تھا۔وہاں ایک بڑی سی میز اور چند کرسیاں پڑی تھیں۔تھری پیس دھارے ہوئے پراسرار شخص ایک بڑی کرسی پہ بیٹھ گیا،ساتھ ہی اس کی سپاٹ آواز سنائی دی:

''رپورٹ پیش کی جائے!!''

سائنس دانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر وہ بھی کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

◆◆◆◆

منصور حراث کا فون تیز آواز میں بج پڑا۔اس نے چونک کر دیکھا تو ایک خاص میسج اس کا منتظر تھا۔

''اسماعیل!!!''

وہ بڑبڑایا اور پیغام کھول کر پڑھنے لگا۔ پیغام میں ایک کوڈ درج تھا۔ اس نے اس کوڈ کو کاپی کیا اور ایک ای میل اوپن کرنے لگا۔ ای میل میں منسلک ایک فائل کو اسی خاص کوڈ کے ذریعے کھولا جانا تھا۔ منصور نے کاپی کیا ہوا کوڈ پیسٹ کیا اور وہ فائل اوپن کی جس میں جاسوس اسماعیل کی طرف سے ایک اہم پیغام اس کا منتظر تھا۔ وہ بے تابی سے پیغام پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا جارہا تھا، اس کا چہرہ سرخ ہوتا جارہا تھا۔ لکھا تھا:۔

''شیطانی دماغوں نے مطروف میں کامیاب تجربہ کرلیا ہے اور اب وہ القدس شہر کی طرف جارہے ہیں تاکہ مقدس حصے کو مصنوعی زلزلے سے تباہ کیا جاسکے۔ اسپیشل مشین روانہ کردی گئی ہے۔ اسمعیل عرف ذبیح اللہ''

وقت بہت کم تھا۔ منصور نے اپنی شوریٰ کو ارجنٹ میٹنگ کے لیے کال کیا اور وہ خود بھی تیاریوں میں مگن ہوگیا۔

◆◆◆◆

یہ فلم شوٹنگ کا ایک سیٹ تھا اور اس وقت وہاں سین فلم بند کیے جارہے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہاں ایک خفیہ ادارے کی میٹنگ بھی ہو رہی ہے۔ اس وقت منصور اور اس کے ساتھی وہاں موجود تھے اور ان کی میٹنگ جاری تھی۔

''میں نے فورس کو ہدایات دے دی ہیں۔ دشمن اپنی اسپیشل آبدوز جس راستے سے بھی پہنچائے گا، ہم اسے دبوچ لیں گے۔''

منصور نے کہا

''اف خدا!! کتنا گھٹیا منصوبہ ہے ان کا، مقدس حصے کو صفحہ ہستی سے مٹانا اور وہ بھی یوں کہ سارا کچھ قدرتی آفت جیسا لگے''

ایک ممبر نے تبصرہ کیا

''اب ہم کیا کریں گے''

تیسرا ممبر بولا

''ہم اس مشین کا نیا آپریٹنگ سسٹم بنائیں گے اور پھر انتھونی کی تجربہ گاہ خود اسی کی ایجاد سے تباہ ہوجائے گی۔''

منصور نے نفرت آمیز لہجے میں کہا

''اوہ بہت بڑی خبر!! اس کا مطلب ہے کہ تم نے تجربہ گاہ کے گرد گھیرا تنگ کرلیا ہے؟''

ایک ممبر نے پرجوش لہجے میں پوچھا

''ہاں اسماعیل عرف ذبیح اللہ کی عظمت کو سلام ہے!!''

منصور نے عقیدت بھرے لہجے میں مسکرا کر کہا اور سبھی سر ہلانے لگے۔

◆◆◆◆

''سر سب کچھ اوکے ہے!!''

''ٹھیک ہے تم جاؤ!''

پروفیسر انتھونی نے اپنے اسسٹنٹ کو کہا اور پھر وہ خود تیز تیز قدم اُٹھاتا آپریشن روم میں داخل

ہوگیا۔اس کمرے میں کئی سکرینیں روشن تھیں۔اس نے میز پہ لگے بٹن دبائے اور پھر اس کے سامنے زیرزمین ایک منظر روشن ہوگیا۔یہ القدس شہر کا وہ خفیہ تہہ خانہ تھا جہاں آبدوز نما مشین کو رکھا گیا تھا۔ اس وقت وہاں آبدوز موجود تھی۔یہ دیکھ کر پروفیسر انتھونی کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ رینگ گئی۔اس نے دیوار پہ لگی مقدس حصے کی تصویر کو استہزائی نگاہوں سے دیکھا جیسے اسے الوداع کہہ رہا ہو،اس کے بعد اس نے مختلف بٹن دبانا شروع کر دیئے مگر اگلا ہی لمحہ اس پہ بہت بھاری پڑا،کیونکہ مشین کے آپریشنل ہونے کا گرین سگنل نہیں آیا تھا۔وہ بدحواسی کے عالم میں بٹن دوبارہ دباتا چلا گیا۔

''کیا ہوا پروفیسر؟''

ایک سائنس دان نے تشویش زدہ لہجے میں کہا

''اوہ نو،اٹ از ویری بیڈ!!''

انتھونی نے میز پہ مکا مارا

''مشین فعال نہیں ہے''

وہ چیخا

''سر!!یہ وہ آبدوز نہیں ہے!!''

ایک سائنس دان نے غور سے اسکرین کو دیکھ کر کہا

''کیا!!!!''

وہ سب پوری قوت سے چلائے۔

اسی وقت تجربہ گاہ کی زمین لرزنے لگی۔اللہ کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آچکی تھی۔یہ تجربہ گاہ ایک پہاڑی علاقے میں واقع تھی،اس لیے آبدوز نما مشین کے چلتے ہی پہاڑی تودے گرنے لگے تھے۔تجربہ گاہ کی چیزیں اُلٹ پلٹ ہو رہی تھیں۔چاروں طرف قیامت خیز الارم بج رہے تھے۔سائنس دانوں نے ادھر ادھر بھاگنا چاہا مگر زمین کے طاقت ور زلزلے نے ان کے پاؤں اُکھیڑ دیئے اور وہ گرتے چلے گئے۔ان کی چیخیں گونج رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا کہ مطروف شہر کے مظلوموں کی چیخیں ان سے انتقام لے رہی ہیں۔القدس کے ایک بیٹے نے بازی پلٹ دی تھی۔دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والے خود اسی گڑھے میں گر چکے تھے۔پروفیسر انتھونی نے جو آخری چیز دیکھی وہ دیوار پہ لگی القدس کے مقدس مقام کی تصویر تھی جو اسے پیغام عبرت دے رہی تھی مگر افسوس اس کے پاس عبرت پکڑنے کا وقت کہاں تھا۔شر کی سوچ انجام کو پہنچ چکی تھی۔ وہاں سے بہت دور بیٹھا اسماعیل عرف ذبیح اللہ اپنے سائنس دانوں کو کہہ رہا تھا:

''ہم اس ایجاد میں مثبت تبدیلیاں لا کر اسے انسانیت کے لیے فائدہ مند بنائیں گے۔''

سائنس دان اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔

ہم کیسے مسلمان ہیں

لائبہ خان

''تمہیں کھیلنا نہیں آتا کیا؟
اس طرح کھیلتے ہیں؟
یہ فٹ بال میرے پاؤں
پر آ کر گری ہے۔
ایک تو گلی بلاک کی ہوئی
ہے اوپر سے شور کی آوازوں سے گھر
سر پر اٹھایا ہوا ہے۔
دوبارہ میرے گھر کے سامنے مت کھیلنا۔''

باہر گلی میں فٹ بال کھیلتے ہوئے بال سنان کے پیر پر کیا آ گری سنان کے آگ بگولہ ہونے سے ایسا لگا کہ گویا بھاری بھرکم اینٹ آن پڑی ہو یا بڑا پہاڑ۔

''بہت معذرت سنان آپکو ہماری وجہ سے تکلیف ہوئی'' صفوان نہایت ندامت سے بولا۔

''میرے پیارے دوست تمہیں زیادہ تو نہیں لگی؟'' سعد نے اخلاص سے ہمدردی کی۔

''نہیں چاہیے مجھے تمہاری یہ ہمدردی تم سب لوگ دوبارہ مجھے نظر مت آنا''

سنان کا برسنا تھا کہ گلی میں کھیلتے ننھے پھول یک دم سہم کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

سنان ہلکی سی فٹبال لگنے سے بچوں پر جان بوجھ کر غصہ اتار کر بہت خوش ہوا کہ میرے رعب سے سب بھاگ گئے۔

سنان پندرہ سالہ نویں جماعت کا طالب علم تھا، گھر میں اکلوتا ہونے کی بناء پر لاڈ پیار میں بہت بگڑ چکا تھا، بات بات میں وہ ایسی بات کر جاتا جس

سے سامع کا دل کٹ کر رہ جاتا۔

گلی میں سنان کے ہم عمر لڑکوں کا فٹ بال کھیلنا روزمرہ کا مشغلہ تھا مگر سنان کو ان سے سخت چڑ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آئے دن سنان کسی نہ کسی سے لڑ رہا ہوتا اور خوب بدکلامی کرتا اس کے اس رویہ سے کھیلنے والے بہت اداس ہوتے۔

وہ بھی شور کی عادت سے مجبور تھے جہاں کئی یار ملے ہوں وہاں شور نہ ہو یہ تو ناممکن سی بات ہے بھئی۔

◆◆◆◆

''کیا ہوا صفوان بیٹے آج فٹبال کھیلنے نہیں جا رہے؟''

بابا نے گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھے صفوان سے پوچھا۔

''نہیں بابا!'' صفوان نے اداسی سے کہا۔

'' دوست بھی نہیں ہیں آپکے؟ کیوں کیا ہوا ہے؟''

بابا کے پوچھنے پر صفوان نے گزشتہ کل ہونے والی بدنظمی اور صفوان کی تلخ کلامی بابا کے گوش گزاری۔

''اوہ! تو یہ بات ہے، دیکھو بیٹا! میں آپ کی حمایت تو بالکل نہیں کرتا کیوں کہ آپ لوگوں کی بھی غلطی ہے''

''بابا! اس نے ایسے غلط انداز میں بات کی میں نے تو بہت ندامت سے اس سے معذرت کی تھی مگر اس نے ہی ایسا رویہ اختیار کیا اس میں میری تو غلطی نہیں ہے نا؟''

صفوان بے چارگی سے بولا۔

''یہی تو بات ہے بیٹا! ہم دوسروں کی غلطی پر تو خوب نظر رکھتے ہیں مگر خود کے گریبان میں نہیں جھانکتے۔

میرے بیٹے! امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو اپنے عیبوں کو چھوڑ کر دوسروں کے عیبوں میں دلچسپی رکھتا ہے، اُس کا دل اندھا ہو جاتا ہے، اور اُس کا جسم تھک جاتا ہے، اُس کیلئے اپنے عیبوں کو درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ کمزور وہ ہے، جو لوگوں کی عیب جوئی کرے!''

''اوہ! بہت معذرت بابا!''

''دیکھو بیٹا! آپ سب روز وہاں کھیلتے ہو تو شور بھی کرتے ہو جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کسی کے آرام کا وقت ہوتا ہے یا کوئی بیمار ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ گلی سے ہر کسی کا گزر ہوتا ہے چلتے ہوئے اگر کسی بزرگ یا چھوٹے بچے کو فٹ بال لگ جائے تو؟''

''ہمم۔۔۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا!''

صفوان بہت سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ فرمانبردار بھی تھا۔

''بیٹا! اس لیے آپ لوگ تھوڑا آگے گراونڈ

میں کھیلا کریں تا کہ کسی کو کسی بھی قسم کی آپ سے تکلیف نہ ہو اور کسی سے منہ ماری بھی نہ ہو۔

اور حدیث مبارکہ بھی تو ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

(صحیح البخاری)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ ہوں۔

تو صفوان بیٹے! اس حدیث پر عمل کرنے کا کتنا اہتمام ہے؟"

"مممم۔۔۔ اہتمام تو نہیں ہے بابا!"

صفوان شرمندگی سے بولا۔

"تو پھر بیٹا کون کرے گا اس کا اہتمام؟ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کے لیے ہی فرمائی ہے تو اگر ہم خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا؟"

"جج جی۔۔ بابا! ان شاء اللہ میں آج سے اس حدیث کا ہر جگہ خیال رکھوں گا"

"بہت خوب بیٹے!"

"اور اپنے دوستوں کو بھی اس طرف راغب کروں گا" صفوان بولا۔

"بہت اعلیٰ فرمانبردار" بابا خوش ہو کر بولے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انکل!"

صفوان کو پتا ہی نہ چلا کہ سنان نے دکان سے آتے ہوئے صفوان کو بابا کے ساتھ دیکھا تو وہ بھی وہیں کچھ فاصلہ سے کھڑا ہو گیا مگر اسے بابا کے صفوان کو سمجھانے کی آواز صاف آ رہی تھی جو اس کے دل پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔

حدیث سن کر سنان سے رہا نہ گیا اور فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سنان بیٹے کیسے ہو؟"

"جی میں بالکل ٹھیک الحمدللہ۔"

حارث انکل معذرت کے ساتھ میں نے آپ کی تمام باتیں سن لی ہیں جو آپ صفوان سے کر رہے تھے اور آپ کی بات نے میرے دل پر اثر کیا ہے اور میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں۔ میں صفوان سے معافی مانگتا ہوں۔

صفوان! مجھے معاف کر دو!" سنان نے ہاتھ جوڑے۔

"ارے سنان! یہ کیا کر رہے ہو میں آپ کو کھلے دل سے معاف کرتا ہوں"

صفوان نے سنان کے ہاتھ تھام کر اسے گلے لگا لیا۔

حارث صاحب نے دل میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کے الفاظ میں تاثیر رکھی جس سے دونوں کے دل سنور گئے۔

راز سربستہ ابوشفاء

تو آج کے ''راز سربستہ'' میں ذکر کرتے ہیں چند ایسے خوبصورت اور سرسبز و شاداب جگہوں کا جنہیں زندگی میں ایک بار تو دیکھنا بنتا ہے۔

پاکستان میں ایسی کئی حسین جگہیں ہیں جنہیں دیکھنا ایک حسین اور دلچسپ تجربہ ہوسکتا ہے۔لہذا اگر آپ اس برس کہیں گھومنے پھرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بیرون ملک جانے سے پہلے اپنے ملک میں سفر کریں اور نئی چیزوں کا تجربہ کر کے دیکھیں۔

اس سلسلے میں آپ کی مدد کے لیے ہم نے ایک فہرست مرتب کی ہے جہاں آپ جان سکیں گے کہ آپ کو پاکستان کے کن مقامات میں گھومنے سے ایک ناقابل فراموش تجربے کو زندگی کا حصہ بنا سکتے ہیں۔اس فہرست کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ پاکستان کی خوبصورت ترین جھیلوں کے گرد گھومتی ہے۔

سیف الملوک جھیل

ضلع مانسہرہ کی سب سے مشہور اور خوبصورت جھیل سیف الملوک ہے، جس کا نام یہاں مشہور ایک افسانوی داستان قصہ سیف الملوک کی وجہ سے مشہور ہے۔جس کے بارے میں سچ یا جھوٹ کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔جھیل سیف الملوک وادیٔ کاغان کے شمالی حصے میں واقع ہے، یہ سطح سمندر سے تقریبا3244 میٹر بلندی پر واقع ہے۔

ملکہ پربت، اور دوسرے پہاڑوں کا عکس اس میں پڑتا ہے جو اس کی خوبصورتی کو مزید بڑھا دیتے ہیں خاص طور پر جب ناران سے جھیل سیف الملوک تک چودہ کلومیٹر کا سفر طے کر کے اس پر پہلی نظر پڑتی ہے تو ایک جادو سا ہو جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اللہ نے جنت زمین پر اتار دی ہے۔

اور اگر آپ موسم سرما میں جا کر اس جھیل کو دیکھیں گے تو آپ کو بالکل انوکھا تجربہ ہوگا کیونکہ

گرمیوں کے مقابلے میں اس موسم میں وہاں لوگ نہ ہونے برابر ہوتے ہیں جبکہ ایک منفرد طرز کی خوبصورتی دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

لولوسر جھیل

لولوسر جھیل مانسہرہ سے ساڑھے تین سو کلومیٹر دور واقع ہے، ناران چلاس روڈ پر 3353 میٹر بلندی پر واقع لولوسر جھیل ناران کے قصبے سے ایک گھنٹے کی مسافت پر وادیٔ کاغان اور کوہستان کی سرحد پر واقع ہے۔ اس جھیل پر ہر سال روس سے آنے والے پرندے اور سیاح بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

لولوسر دراصل اونچی پہاڑیوں اور جھیل کے مجموعے کا نام ہے، ناران آنے والے سیاح لولوسر جھیل دیکھنے ضرور آتے ہیں اور غضب ناک دریائے کنہار میں پانی کا بڑا ذریعہ لولوسر جھیل ہی ہے۔ جھیل کا پانی شیشے کی طرح صاف ہے اور لولوسر کی برف سے ڈھکی پہاڑیوں کا عکس جب جھیل کے صاف پانی میں نظر آتا ہے تو دیکھنے والوں کے دل موہ لیتا ہے یہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔

دودی پت سر جھیل

دودی پت سر جھیل وادیٔ کاغان کے انتہائی شمال میں 4175 میٹر بلند پر واقع ہے اور یہاں ناران کے علاقے جل کھاڈ (Jalkhad) سے چار گھنٹے کا سفر کر کے پہنچا جا سکتا ہے، مقامی زبان میں دودی پت سر کے معنی دودھ جیسے

دودی پت سر جھیل

سفید پانی والی جھیل کے ہیں۔لیکن جھیل کا رنگ سفید نہیں نیلا ہے، درحقیقت اس سے ملحقہ برف پوش پہاڑوں کا پانی میں جھلکنے والا عکس اسے دور سے ایسا دکھاتا ہے جیسے دودھ کی نہر اور ممکنہ طور پر اسی وجہ سے اس کا نام بھی رکھا گیا۔

یہ علاقہ اپنے جادوئی منظر سیاحوں کو اپنے خیمے یہاں لگا کر قدرتی خوبصورتی اور تنہائی سے لطف اندوز ہونے پر مجبور کر دیتا ہے، جھیل دودی پتسر بند شکل میں خوبصورت برف پوش چوٹیوں میں گھری ہوئی جھیل ہے۔ یہاں تک رسائی انتہائی مشکل اور دشوار گذار کام ہے۔اس جھیل تک رسائی کے لیے کم از کم سات سے بارہ گھنٹے تک انتہائی مشکل اور دشوار گذار گھاٹیوں میں پیدل سفر کر کے ہی ممکن ہے، جھیل کے اطراف میں چرا گاہیں اور ہرا پانی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

پائے جھیل

پائے جھیل وادیٔ کاغان میں شوگران کے قریب پائے کے سرسبز میدانوں میں واقع ہے۔اس کی بلندی تقریباً 9500 فٹ ہے۔اس کے اردگرد مکڑا کی چوٹی، ملکۂ پربت، موسیٰ دا مصلیٰ اور کشمیر کے پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ جگہ پاکستان کے خوبصورت ترین مقامات میں سے ایک ہے۔

شندور جھیل

پولو گراؤنڈ کے ساتھ شندور جھیل تخلیق فطرت کا

پائے جھیل

عظیم شاہکار لگتی ہے۔ اس کی لمبائی تین میل اور چوڑائی ایک میل ہے۔ اس جھیل میں نایاب پرندے بستے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس جھیل کے پانی کا ظاہری اخراج نہیں ہوتا یعنی پانی جھیل میں ٹھہرا دکھائی دیتا ہے مگر ماہرین کے مطابق پانی زیر زمین راستہ بنا کر سولا سپور اور لنگر میں جا نکلتا ہے۔

کچورا جھیل

کچورا جھیل صاف پانی کی جھیل ہے جس کی گہرائی تقریباً 70 میٹر ہے، دریائے سندھ اس کے قریب ہی قدرے گہرائی میں بہتا ہے، گرمیوں میں دن کے وقت یہاں کا درجہ حرارت 10 سے 15 ڈگری سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے جبکہ سردیوں میں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بہت نیچے گر جاتا ہے۔

سد پارہ جھیل

سطح سمندر سے آٹھ ہزار پانچ سو فٹ کی بلندی پر واقع یہ خوبصورت جھیل میٹھے پانی سے لبریز ہے اور اس کے دو تین سمت سنگلاخ چٹانیں ہیں۔ موسم سرما میں ان پہاڑوں پر برف پڑتی ہے اور جب گرمیوں کے آغاز میں یہ برف پگھلنا شروع ہوتی ہے تو نہ صرف ان کا بلکہ چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع دیوسائی نیشنل پارک سے نکلنے والے قدرتی ندی نالوں کا پانی بھی بہتا ہوا اس میں جا گرتا ہے۔ سد پارہ بلتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سات دروازے۔

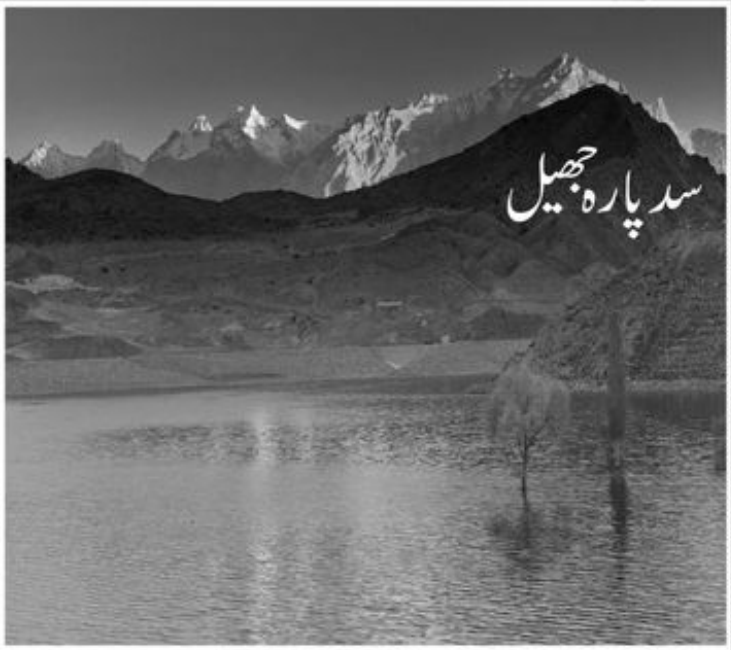

پھنڈر جھیل

غذر کے سر کا موتیوں جڑا تاج سمجھے جانے والی وادی پھنڈر میں واقع یہ جھیل خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے، یہ جھیل 44 میٹر گہرائی ہے جس میں ارگرد کے نظاروں کا عکس بالکل واضح نظر آتا ہے۔

شیوسر جھیل

شیوسر جھیل گلگت بلتستان کے دیوسائی قومی پارک میں واقع ہے، یہ جھیل سطح مرتفع تبت کے سر سبز میدان میں 4142 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔اس کی لمبائی تقریباً 203 کلو میٹر، چوڑائی 8.1 کلو میٹر اور اوسطاً گہرائی 40 میٹر ہے۔ یہ جھیل دنیا کی بلند ترین جھیلوں میں سے ایک ہے، گہرے نیلے پانی، برف پوش پہاڑیوں، سرسبز گھاس اور رنگ برنگے پھولوں کے ساتھ یہ منفرد جھیل خوبصورتی میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ شیوسر جھیل کے گرد چکر لگانے کے لئے کئی گھنٹے درکار ہیں جس سے اس کے طول و عرض کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عطا آباد جھیل

عطا آباد جھیل میٹھے پانی کے سب سے بڑے ذخیروں میں سے ہے۔ 22 کلو میٹر طویل، اور 220 فٹ گہری اس جھیل کا پانی قراقرم کی برفوں اور گلیشیئرز سے پگھل کر جنم لینے والے دریائے ہنزہ کے رک جانے کی وجہ سے ایک تنگ سے پہاڑی درے میں آ کر ٹھہر گیا ہے۔ جھیل کے سبز

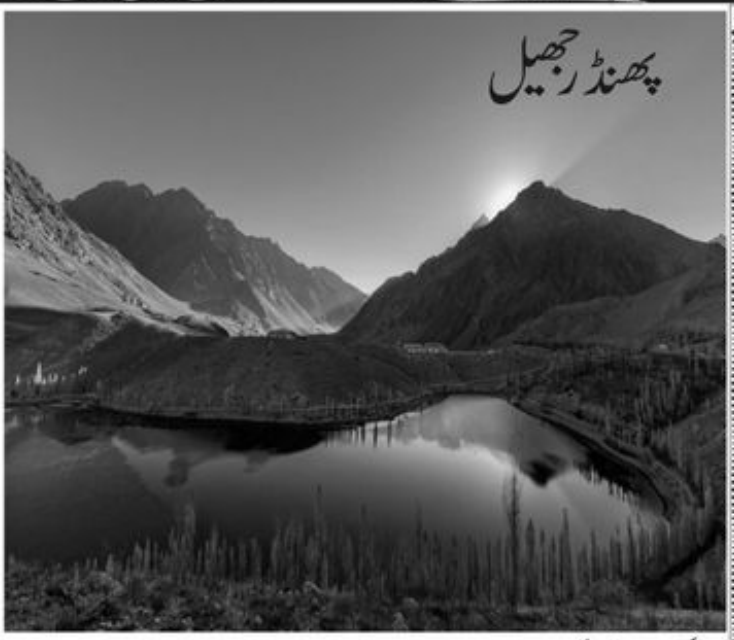

رنگے پانی، تنگ درے میں بہتی تیز ہواؤں کے اشارے پر پانی کی سطح پر نہایت دلکش انداز میں لہریں پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس جھیل کے وقوع پذیر ہونے سے قراقرم ہائی وے کا 18 کلومیٹر سے زائد حصہ پانی کی نذر ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے ذرائع آمد و رفت ساکت ہو گئے ہیں۔ اب واحد طریقہ کشتی کے ذریعے اس جھیل کو پار کر کے حسینی گاؤں تک پہنچا جا سکتا ہے۔

یہ دس ان جھیلوں کی فہرست ہے جنہیں آپ پہلی فرصت ملتے ہی دیکھ لیجئے اور جب دیکھ لیں تو دس اور اس سے بھی خوبصورت جھیلوں کے بارے میں ہم آپ کو بتائیں گے جہاں جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بس اس کے لئے حوصلہ ہمت اور جنون چاہئے۔

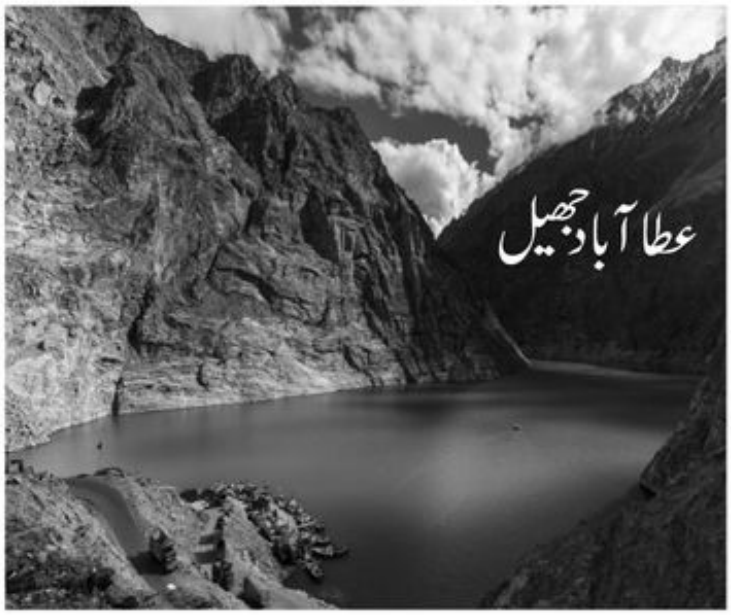

تین خطرناک چیزیں

حوا بنت زبیر

تین چیزیں کامیابی کی دشمن ہوتی ہیں:

1) تن آسانی: یعنی جہاں پڑے ہیں پڑے رہیں، کیوں رسک اور جھمیلا مول لیں۔

2) مایوسی: خود کے بارے میں طے کر چکے ہیں کہ ہم سے کچھ اور نہ ہو پائے گا۔

3) فرار: یعنی چھوڑو، ایسا کام ہی کیوں کریں جسمیں آسانیاں کم اور دشواریاں زیادہ ہوں۔

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب حفظہ اللہ

کامیابی اور کمال

اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ''بادشاہ'' بنا دیتے ہیں..... اور جس سے چاہتے ہیں ''بادشاہت'' چھین لیتے ہیں..... پہلے زمانے میں ''بادشاہ'' ہوتے تھے..... اب بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں..... جبکہ آج کل کے زمانے میں صدر، وزیر اعظم، سردار اور گورنر ہوتے ہیں..... کوئی بھی کسی وظیفے، کسی چلّے، کسی بزرگ، کسی مزار..... یا کسی تعویذ کی وجہ سے..... وزیر اعظم نہیں بن سکتا.....

اگر ایسا ہوتا تو ہر گلی میں دو تین بادشاہ..... اور تین چار وزیر اعظم ضرور ہوتے..... کیونکہ مزار پر ہر کوئی جا سکتا ہے..... وہاں ہر کوئی جھک سکتا ہے..... تعویذ ہر کوئی باندھ سکتا ہے..... وظیفہ ہر کوئی کر سکتا ہے..... پھر یہ سب ''وزیر اعظم'' کیوں نہیں بنتے؟.....

دراصل شیطان پوری کوشش کرتا ہے کہ..... ہمیں اللہ تعالیٰ سے کاٹ دے..... وہ لوگ جو آج معمولی معمولی باتوں پر..... اللہ تعالیٰ سے کٹ جاتے ہیں..... وہ دجال کے سامنے کیا کریں گے..... دجال تو بارشیں برسائے گا..... رزق کے ڈھیر لگائے گا..... سونے چاندی کے پہاڑ چلائے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا..... مگر اہل ایمان..... تب بھی اس کو اپنا خدا نہیں مانیں گے..... ایک اللہ کی توحید پر جان دیتے چلے جائیں گے..... مگر وہ تھوڑے ہوں گے..... بہت سے لوگ دجال کے فتنے کا شکار ہو جائیں گے یا اللہ آپ ایک ہیں..... اللہ ایک ہے..... اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک

نہیں..... اللہ تعالیٰ ہی زندگی، موت، عزت، ذلت، رزق اور سانس کا مالک ہے..... ہر حاجت صرف وہی پوری فرما سکتا ہے..... وہ جب چاہتا ہے کسی کو کوئی عہدہ دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے عہدہ چھین لیتا ہے..... آج اگر ایک نیا وزیر اعظم آیا ہے تو دو وزیر اعظم چلے بھی گئے ہیں..... حالانکہ اُن کے پاس بھی پیروں، مزاروں، عاملوں، جادوگروں اور منتر بازوں کی کمی نہیں تھی..... پھر وہ کیوں چلے گئے؟..... پھر وہ کیوں نکالے گئے؟ سوچیں اور کہیں..... اللہ احد، اللہ احد..... اللہ الصمد، اللہ الصمد

کامیابی نہیں ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ..... وظیفے اگر شریعت کے مطابق ہوں تو اُن سے فائدہ ہوتا ہے..... اللہ کا ذکر، اللہ کا نام، اللہ کا کلام..... اور اللہ تعالیٰ سے دعاء..... اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے..... میرا تجربہ ہے کہ جب کوئی حاجت وغیرہ پیش آئے تو دو رکعت نماز ادا کر کے..... سات بار سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ اخلاص توجہ سے پڑھ لیں..... اول آخر سات سات بار درود شریف..... اس کے بعد اپنی حاجت مانگی جائے تو..... ماشاء اللہ عجیب طرح سے قبولیت آتی ہے..... بس یوں سمجھیں کہ زندگی ہی آسان ہو جاتی ہے..... دو رکعت نماز میں سب کچھ آجاتا ہے..... پھر درود شریف قبولیت کی چابی ہے..... پھر سورہ فاتحہ ہر خیر کو کھولنے والی ہے پھر سورہ اخلاص..... وہ تو عظمت کا مینار ہے..... محبوب کلمات کا پر تاثیر مجموعہ ہے..... اور اس میں اخلاص ہی اخلاص ہے..... یعنی بندہ خالص ایمان پر آجاتا ہے..... خالص توحید پر آجاتا ہے..... اب اس کے بعد دعاء مانگیں تو اس میں تاثیر تو ہوگی.....

صدر یا وزیر اعظم بن جانا..... نہ تو کوئی کامیابی ہے اور نہ کوئی نعمت..... یہ ایک آزمائش ہوتی ہے اور زندگی کا ایک مرحلہ..... کوئی اگر خوش نصیب ہو تو وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو جاتا ہے..... جبکہ اکثر لوگ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں..... اور وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا کر بیٹھتے ہیں..... پاکستان میں تو ''وزراء اعظم'' کی تاریخ اور انجام اتنا بھیانک ہے کہ..... بچوں کو بھی اگر یہ تاریخ کہانی بنا کر سنائیں تو وہ ڈر جاتے ہیں..... پاکستان میں سب سے زیادہ بار ''وزارت عظمیٰ'' کا حلف اُٹھانے والے ''شیر صاحب'' آج کل..... بڑی سخت تکلیف میں ہیں..... حالانکہ انہوں نے دنیا بھر کے بڑے بڑے نجومیوں اور جادوگروں کی خدمات حاصل کیں..... کہاں کہاں سے عامل بلوائے..... طرح طرح کے چلّے کٹوائے..... یہاں تک کہ ہندو نجومیوں، پنڈتوں اور تانترکوں سے مدد حاصل کی..... مگر کچھ نہ بنا..... اس واقعہ کو دیکھ

کر..... ممکن ہے بہت سے لوگ نجومیوں اور جعلی عاملوں سے بچ جاتے..... مگر ایک دم سوشل میڈیا پر شور مچ گیا کہ..... نئے وزیر اعظم کا تقرر بھی عملیات ، مؤکلات اور وظیفوں کے زور سے ہوا ہے..... استغفر اللہ، استغفر اللہ

اے اہل ایمان..... اپنے ایمان کی حفاظت کرو..... دنیا کے عہدے، منصب اور مالداریاں سب لکھی جا چکی ہیں..... ان میں کچھ بھی کامیابی نہیں..... وظیفے کرنے ہیں تو حضرت آقا مدنی ﷺ کے سکھائے ہوئے کرو..... اُن میں نقصان کا ذرہ برابر خطرہ نہیں..... جبکہ فائدہ دنیا کا بھی ہے اور آخرت کا بھی.....

اگر کوئی عامل، نجومی یا عاملہ کسی کو وزیر اعظم بنانے کی طاقت رکھتے تو وہ خود کیوں نہیں وزیر اعظم بن جاتے..... یا اپنی اولاد کو نہیں بنا دیتے؟

آگے کیا ہوگا؟

رزق کے بارے میں ایک وظیفہ ہے..... میں نے اپنی زندگی میں کئی افراد کو اس وظیفے کے بعد مالدار ہوتے دیکھا..... مال تو بہر حال اُن کی قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا تھا..... مگر اُن کی مالداری کا ظاہری سبب یہی وظیفہ بنا..... فرض نماز کی پابندی کرنے والے حضرات وخواتین اگر اس کی پابندی کرتے ہیں تو..... اُن کے رزق میں برکت کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں..... روزانہ ''یا مغنی'' بارہ سو بار اور یہ دعاء ستر بار اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک... واغننی بفضلک عمن سواک

اول آخر چند بار درود شریف..... میں سالہا سال سے..... غالباً اپنی دینی تعلیم کے آخری سال سے یہ وظیفہ کسی کسی کو بتا دیتا ہوں..... جس نے بھی پابندی کی وہ مالدار ہو گیا..... اور افسوس یہ کہ بہت سے لوگ مالدار ہو کر..... دین میں کمزور ہو گئے، جہاد سے ہٹ گئے..... عزیمت کے راستے سے کٹ گئے..... ہاں بے شک مال کے فتنے کو بہت کم لوگ اپنے لئے نعمت بنا پاتے ہیں.....

خود میں نے کبھی اس وظیفے کی پابندی نہیں کی..... کبھی ضرورت پڑ جائے تو ایک دو ہفتے یا صرف جمعہ کے دن کبھی کبھار..... پڑھ لیتا ہوں..... آگے بھی یہی ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ ضرورت کے وقت پڑھ لیا جائے..... زیادہ توجہ اُن اَوراد و وظائف پر دی جائے جن سے دل کی اصلاح ہوتی ہے..... آخرت بنتی ہے..... عذاب قبر سے نجات ملتی ہے..... رخ سیدھا رہتا ہے..... عافیت نصیب ہوتی ہے.....

ہمارے پاک نبی حضرت محمد ﷺ نے ..... اپنی امت کو ہر حاجت کی دعاء اور وظیفے سکھا دیئے ہیں..... میں نے چھ دعاؤں کا ایک جامع نصاب احادیث مبارکہ سے بنایا ہے..... یعنی اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور وہ زیادہ معمولات نہ کر سکے..... یا کوئی آدمی بہت زیادہ مشغول

ہوتو..... وہ صبح وشام یہ چھ اوراد کرلے..... صرف چند منٹ لگتے ہیں..... مگر الحمدللہ ہر طرح سے کفایت ہوجاتی ہے..... یہ نصاب میں نے اپنی ایک محبوب شخصیت کے لئے ان کی بیماری کے دوران..... بنایا تھا..... اب ارادہ ہے کہ رنگ ونور میں بھی شائع کردیا جائے..... آج کل پیشین گوئیاں کرنے والے..... طرح طرح کے پروفیسر، عامل، جادوگر اور نجومی..... مسلمانوں کے درمیان گھس گئے ہیں..... اُن کے حالات اور لوگوں کا اُن کی طرف رجوع دیکھ کر..... دل بے چین ہوتا ہے کہ..... کیسے ناکام لوگوں کے سامنے ''اہل اسلام'' خود کو جھکا رہے ہیں.....

ایک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر..... دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں..... جادو، ٹونے کو انہوں نے نعوذ باللہ پہاڑ سمجھ لیا ہے جبکہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو یہ کچھ نہیں سمجھتے..... استغفراللہ، استغفراللہ

جب سات زمین اور آسمان..... کلمہ طیبہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے..... اور یہ بات یقینی ہے تو جادو اس کے سامنے کیسے ٹھہر سکتا ہے؟.....

صبح وشام سو، سو بار پڑھیں.....

لا اله الا اللّٰه وحده لا شريک له له الملک وله الحمدوهو علی کل شیء قدیر.....

جو بھی اس کی پابندی کرتا ہے..... اس پر ہونے والا جادو ٹوٹ جاتا ہے..... کیونکہ یہ کلمہ طیبہ کا خاص اور طاقتور ورد ہے..... اور کلمہ طیبہ کی طاقت اتنی ہے کہ ہم اُسے بیان ہی نہیں کرسکتے کیونکہ..... کوئی مثال موجود نہیں ہے..... بھائیو! بہنو! صدر، وزیراعظم بننا کمال نہیں ہے..... فرعون بھی بادشاہ تھا اور نمرود بھی..... ابامہ بھی صدر تھا اور بش بھی..... اصل کمال یہ ہے کہ..... ہمیں کلمہ طیبہ نصیب ہوجائے..... پیروں اور بزرگوں کے پاس جانا ہے تو..... وزیراعظم بننے کے لئے نہ جائیں بلکہ..... کلمہ طیبہ سیکھنے کے لئے جائیں..... جو کلمہ طیبہ سکھادے وہی بزرگ ہے، وہی ولی ہے.....

ایسے ولی کے پاس جانے کے لئے..... سات جنگل اور سمندر عبور کرنے پڑیں تو بھی سودا سستا ہے..... کلمہ طیبہ دل میں اتر جائے تو بس پھر کامیابی ہی کامیابی ہے..... ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی..... نہ ختم ہونے والی..... نہ مٹنے والی..... اصل کمال یہ ہے کہ..... ہم مؤمن بن جائیں..... ہم مجاہد فی سبیل اللہ بن جائیں..... اور ہمیں..... اللہ تعالیٰ کے راستے کی مقبول شہادت نصیب ہوجائے.....

لا اله الا اللّٰه، لا اله الا اللّٰه، لا اله الا اللّٰه محمدرسول اللّٰه

اللهم صل علی سیدنا محمد واله وصحبه وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا اله الا اللّٰه محمدرسول اللّٰه

☆.....☆.....☆

عمارہ

اندھیری شب

وہ نسبتاً ایک پرسکون شاہراہ سے گزر رہے تھے۔ اچانک ایک قیدی نے دوسرے قیدی کو دیکھا، اسے بھی چند سپاہی کھینچتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ دونوں قیدی تھے مگر ان کی منزلیں مختلف تھیں۔ ایک کو دربار خلافت میں پیش ہونا تھا اور دوسرے کو عدالت میں۔ ناگہاں دوسرا قیدی چیخا۔

"رک جاؤ، مجھے اس شخص سے ایک ضروری کام ہے....."

سپاہی ٹھہر گئے۔ چند لمحوں بعد پہلا قیدی نزدیک آ گیا۔ دوسرے قیدی نے سپاہیوں سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میری طرح یہ بھی مجرم ہے لیکن میرے اور اس کے جرم میں بڑا فرق ہے۔"

سپاہیوں نے اسے غور سے دیکھا۔

"کیا تو اس شخص کو جانتا ہے۔"

لہجہ انتہائی تحقیر آمیز تھا۔

"یہ خلیفہ کا معتوب ہے۔ اس کے ساتھ کوئی محبت سے پیش نہیں آسکتا۔"

"اسے کون نہیں جانتا؟"

دوسرے قیدی نے کہا۔

"ہم سب اس کے علم کے سائے میں جیتے ہیں....."

یہ کہہ کر وہ مڑا۔

”میں آپ کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں مگر قانون کے محافظوں کی نظر میں میرے ہونٹ اس قابل نہیں“

پہلے قیدی نے اپنے آپ کو مخاطب کرنے والے پر نظر ڈالی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے محروم تھا۔

”آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں بغداد کا مشہور ڈاکو ابوالہیثم ہوں۔ میری پیٹھ پر بے شمار کوڑوں کے نشانات ہیں۔ میرے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے ہیں اور میں جرم کی زندہ علامت بن کر رہ گیا ہوں۔ میری سیاہ بختی کا یہ عالم ہے کہ مجھے دیکھتے ہی لوگ میرے گناہوں کی حقیقت جان لیتے ہیں۔ قانون چاہتا ہے کہ میں آئندہ کیلئے توبہ کر کے عام انسانوں کی قطار میں شامل ہو جاؤں لیکن مجھے انفرادیت کی زندگی پسند ہے اگر یہ لوگ میرے دونوں پاؤں بھی جسم سے علیحدہ کر دیں تو میں بستر پر لیٹے لیٹے یہ تمنا کرتا رہوں گا کہ کاش! میں اس قابل ہوتا اور ایک بار پھر جرم کر سکتا۔“

اتنا کہہ کر ابوالہیثم نے اس قیدی کی طرف دیکھا جس کی گرفتاری پر حکومت وقت نے اپنی پوری توانائی صرف کر دی تھی۔

”میری یہ استقامت شیطان کی راہ میں ہے مگر آپ منزل حق کے مسافر ہیں۔ میں نے صرف اپنی ذات کو ہلاک کیا ہے لیکن آپ کی لغزش ساری دنیا کو تباہ کر ڈالے گی۔ اللہ آپ کے قدموں کو آزمائش کے راستے میں جمادے کہ آپ اہل دل کی آخری امید ہیں۔“

جوش و جذبات میں ابوالہیثم کی آواز لڑکھڑانے لگی تھی۔ سپاہیوں نے اسے جھٹکا دے کر کھینچا۔ زنجیریں بج اٹھیں۔ ابوالہیثم جاتے جاتے مڑا۔

”امام! اللہ حافظ“

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

بغداد کا رسوائے زمانہ قزاق جا چکا تھا مگر فضا میں اس کے الفاظ کی گونج اب بھی باقی تھی۔ قیدی کے چہرے پر کئی رنگ ابھر کر ڈوب چکے تھے اور اب وہ پہلے سے زیادہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔

سپاہیوں کو بھی ایک ڈاکو کی جرأت کا مظاہرہ دیکھ کر شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا مگر وہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں بہر حال اس شخص کو زنجیریں پہنا کر دربار میں حاضر کرنا ہی تھا۔ جس نے ایک آمر کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

آخر وہ سنگین لمحہ آپہنچا۔ دربار میں بیڑیوں کی جھنکار سنائی دی۔ خلیفہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ قیدی سامنے کھڑا تھا۔ سپاہیوں کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی، جیسے وہ کسی ناقابل تسخیر دشمن کو شکست دے کر لوٹے ہوں۔

”بے خبر عوام تمہیں اپنے روحانی پیشوا کا درجہ دیتے ہیں مگر تم مذہبی آداب سے اس حد

تک نا آشنا ہو کہ اپنے امیر کو سلام تک نہیں کیا۔"

خلیفہ نے قیدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔اس کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ طنز کا نشتر تھا۔

" سلام ایک کلمۂ خیر ہے" قیدی نے باوقار لہجے میں جواب دیا۔

"میں ظلم اور جہل پر سلامتی نہیں بھیج سکتا"

اقتدار کی پیشانی پر ابھرنے والی شکن گہری ہو چلی تھی، مگر خلیفہ نے بڑی ہوشیاری سے جذبات پر قابو پایا، وہ اپنے فیصلے کو منطقی انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

"دربار کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں تمہیں خلیفہ کے احترام کو ملحوظ رکھنا چاہئے تھا۔" اس نے دوسرے انداز سے گرفت کی۔

"سر جھکانے کو احترام نہیں کہتے" قیدی کے لہجے کی بے باکی بدستور تھی۔

"وہ جو شہنشاہوں کا شہنشاہ تھا اس نے بھی ایسے کافرانہ احترام کا حکم نہیں دیا۔ پھر میں کون ہوں کہ اس بدعت کو جائز قرار دوں۔"

"ہمیں تمہاری یہ گستاخیاں بھی گوارا ہیں اگر تم قرآن کو مخلوق تسلیم کرلو!"

خلیفہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا مگر اس نے اتمام حجت کی خاطر اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"تو پھر تمہارے علم کا کس دنیا سے تعلق ہے؟ کیا ان کی رائے سند کا درجہ نہیں رکھتی؟" خلیفہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔اب آہستہ آہستہ اس کے ارادے بے نقاب ہوتے جارہے تھے۔

یہ سب علم و فضل کی آخری منزل تک پہنچ چکے تھے خلیفہ نے ان علماء کی طرف اشارہ کیا جو اس کے عقیدے کو تسلیم کر چکے تھے اور نتیجتا دربار کی آراستہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

قیدی نے ان فاضل شخصیتوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی جن کا خلیفہ نے حوالہ دیا تھا۔

"جب یہ قرآن کو علی الاعلان مخلوق کہتے ہیں تو پھر تمہارے علم کا کس دنیا سے تعلق ہے؟ کیا ان کی رائے سند کا درجہ نہیں رکھتی؟"

خلیفہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔اب آہستہ آہستہ خلیفہ کے ارادے بے نقاب ہو رہے تھے۔

" مجھے ان حضرات کی علمی فضلیت پر کوئی شک نہیں"

قیدی کا تحمل قابل دید تھا۔

"مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ میں دنیا میں سب سے کم علم انسان ہوں مگر قرآن کو مخلوق تسلیم نہیں کرسکتا۔ وہ حی و قیوم کا کلام ہے اسے کسی حال میں بھی موت نہیں چھو سکتی۔" بالآخر قیدی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔اس نے کسی عالم کی تضحیک نہیں کی تھی بس اپنا نقطہ نظر واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا۔

''میں تم پر اپنے بیٹے سے زیادہ مہربان ہوں گا، اگر تم قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرلو''۔

خلیفہ نے قیدی کو اسیر کرنے کے لئے نیا جال پھیلایا تھا۔ اس جال کے پھندے بظاہر ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے مگر حقیقت میں ان کی سختی کے آگے آہنی حلقے بھی ہیچ تھے۔

''میں اپنے ہاتھ سے تمہاری بیڑیاں کاٹوں گا'' خلیفہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''پھر تم مملکت اسلامیہ کی سب سے محترم شخصیت بن جاؤ گے۔'' صاحب اقتدار نے ایک بوریا نشین کو سب سے بڑی پیش کش کردی تھی۔

''مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہے۔ میں اس قدر عزت افزائی کو کس طرح برداشت کرسکوں گا؟

قیدی نے بے نیازی کے ساتھ تمام عنایات کو ٹھکرادیا.....

''پھر ایسے عاقبت نااندیش کو ہلاکت سے کون بچاسکتا ہے؟'' خلیفہ کے چہرے پر پڑا ہوا تہذیب واخلاق کا خول اتر گیا۔ اس نے شدید غصے میں تازہ دم جلادوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ طاقتور بازو بلند ہوئے۔ سفاکی کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ دربار کی ساکت فضا کوڑوں کی آواز سے لرز اٹھی۔ قیدی کی پشت پر تازیانے برس رہے تھے۔

''اے دلوں کے تھامنے والے! تو نے اپنے بندوں سے اسی دن کا وعدہ کیا تھا۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔ میری دستگیری فرما۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ آج کے دن مجھے تنہا نہ چھوڑ!''

کوڑوں کی خوفناک آوازوں میں قیدی کی صدائیں شامل تھیں جس کی تمام عمر پرستش کی تھی آج وہ اسی ذات کو پکار رہا تھا۔ مزاج شاہی اور برہم ہوگیا۔ تشدد کی لہر اور تیز ہوگئی۔

خلیفہ کا خیال تھا کہ وہ مسلسل ضربوں کی تاب نہ لاکر سر جھکا دے گا مگر قیدی ایک بار پھر اپنے معبود سے سرگوشیاں کررہا تھا زمین وآسمان فانی مکین ومکان فانی تو باقی تیرا کلام باقی تو بھی جلیل وجمیل، وہ بھی جلیل وجمیل۔

آمر وقت ان کلمات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ پھر انسانی قہر وغضب نے وحشت کا رنگ اختیار کرلیا اور جبر تشدد حد سے گزر گئے۔ جلادوں نے اپنے فن کے مظاہرے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ قیدی اپنے خون میں نہا چکا تھا۔ تشدد میں کمی نہیں آئی۔ قیمتی پتھروں پر انسان کا ارزاں لہو بہ رہا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے قدموں پر کھڑا رہا مگر کب تک؟ توانائی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ قوت ارادی زائل ہونے لگی۔ بالآخر وہ سر دربار بے ہوش ہو گیا۔ خلیفہ کو یقین تھا کہ قیدی اب زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکے گا۔ جلاد اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

خلیفہ کے اشارے پر اس کے سامنے پانی سے بھرا ہوا برتن پیش کیا گیا۔ پیاس کی شدت سے قیدی کی زبان خشک ہو چکی تھی۔ اس نے پانی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر دوسرے ہی لمحے ہاتھ کھینچ لیا۔

''میں روزے سے ہوں'' دربار میں زخمی کی باوقار آواز گونجی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ زمین سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ خلیفہ کی جانب بے نیازانہ دیکھا۔ اہل دربار کی کیفیات کا جائزہ لیا پھر جلادوں سے پوچھا۔

''کیا وقت ہوا ہے؟'' ظہر کا جواباً کہا گیا۔

''مجھے نماز کی مہلت دی جائے'' قیدی نے درخواست کی۔ اس موقع پر اس کا لہجہ نرم ہوگیا۔ خلیفہ نے اجازت دی۔

زخمی نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی۔ وہ عام دنوں میں بہت سکون سے اپنے خالق کی عبادت کیا کرتا تھا مگر آج اس کی جسمانی حرکات میں اضطراری کیفیت تھی۔ عمل نماز معمول سے نسبتاً تیز تھا۔ شاید اس خیال سے کہ کہیں خلیفہ اور درباری اس کے صبر وسکون کو تاخیری حربوں کا نام نہ دیں، اس لئے وہ اپنی عادت کے خلاف جلد بازی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ قیدی نے نماز ختم کی۔ بہت مختصر دعا مانگی اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔ سجدے کے بعد فرش پر ہاتھوں کے خون رنگ نشانات ابھر آئے تھے۔

''تم لوگ اپنا کام جاری رکھو!'' قیدی جلادوں سے مخاطب ہوا۔

''میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں تم بھی اپنا فرض پورا کرو۔ فرض کی تکمیل ہی اقرار بندگی ہے۔'' اس سے پہلے کہ خلیفہ جلادوں کے لئے مشق ستم کا نیا حکم جاری کرتا، ایک درباری عالم درمیان میں بول پڑا۔

''جب تمہاری نماز ہی ادا نہیں ہوئی تو پھر فرض کی ادائیگی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟''

بغداد کا مشہور فقیہہ ایک لہولہان قیدی سے مخاطب تھا۔

''تم نے نماز اس وقت ادا کی جب تمہارے پورے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ شرعی مسئلے کے اعتبار سے نہ تمہارا وضو برقرار رہا اور نہ جسمانی طہارت، پھر یہ کیسی نماز تھی۔''

خلیفہ اور دیگر اکابرین دربار قیدی کی اس گرفت پر مسکرانے لگے۔ ان کے خیال میں وہ موت کے خوف سے بدحواس ہوگیا تھا اور پھر اس نے اسی دہشت کے عالم میں نماز ادا کرلی تھی۔ قیدی کی اس غلطی نے خلیفہ کے کام کو مزید آسان بنا دیا تھا۔

''میں فقہ کے مسائل نہیں جانتا''

قیدی کی آواز بدستور پرسکون تھی۔

''پھر تمہیں کس نے مسند امامت پر بٹھایا ہے؟'' دوسرا فقیہ تیز لہجے میں بولا۔

''میں آج تک کسی مسند پر نہیں بیٹھا۔''

قیدی اب تک روایتی عمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''میں صرف ایک خاک نشین اور خاک ہی

میری مسند ہے۔"

"چرب زبانی تمہاری غلطی کی پردہ پوشی نہیں کرسکتی....."

پہلے فقیہ نے قیدی کو تمسخر اڑاتے ہوئے کہا اور پھر فوراً ہی اپنی اس نکتہ طرازی کی داد پانے کیلئے خلیفہ کی طرف دیکھا۔ آمر وقت اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ قیدی کے زخمی جسم پر لپٹی ہوئی زنجیروں کے آہنی حلقے اور بھی تنگ ہوتے جارہے تھے۔

"تمہیں اس کا پورا اختیار ہے کہ تم میرے ہر فعل میں خامیاں تلاش کرو!"

قیدی کا لہجہ تلخیوں اور نفرتوں سے پاک تھا۔

"میں اپنے عمل کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں مگر میں نے وہی کیا جس کا سبق مجھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیا۔ میرا امیر نماز فجر کے دوران زخمی ہوا اور اسی حالت میں اپنے فرض کی تکمیل تک پہنچایا۔" قیدی نے اپنی نماز کو درست ثابت کرنے کیلئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لازوال عمل کا سہارا لیا تھا۔ جب دلیل آفتاب روشن ہوئی تو سطحی علم کے سارے چراغ بجھ گئے۔ خلیفہ حیران و پریشان تھا اور درباری فقیہوں کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ آمر وقت خلیفہ معتصم باللہ تھا اور قیدی سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تھے جن کے خون سے تاریخ اسلام کا اہم ترین باب لکھا گیا۔

☆.....☆.....☆

لکھاری حضرات متوجہ ہوں

"مسلمان بچے" میں تحریریں بھیجنے کے لیے آفیشل واٹس ایپ نمبر تبدیل کر دیا گیا ہے۔
نیا نمبر نوٹ فرمالیں۔

0341.1642454

یاد رہے یہ نمبر صرف تحریریں بھیجنے کے لیے ہے۔ اس نمبر پر کسی بھی قسم کے سوالات یا معلومات کے لیے رابطہ نہ فرمائیں۔

شکریہ

بنت ابو بکر

اسلام کا عظیم جرنیل

اہل سمرقند اور کاہنوں نے قاضی کے فیصلے کو سنا ان کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آرہا تھا، ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت ساروں کو تو پتہ ہی نہ چلا کہ عدالت برخاست ہو چکی ہے۔ قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) ایلچی بڑی حیرت سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو خوب غور سے دیکھا۔ ان کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ بڑے کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا۔ اپنے عقیدے اور سچ کے بارے میں سوچنے لگا:

کتنا ہی عجیب وغریب اس کا عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟ اور اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور، عدل وانصاف کرنے والا دین، یہ دین جس کی سر بلندیوں کو سورج کی شعائیں، چاند کی روشنی

بھی چھونے سے قاصر ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر بیٹھا رہا، سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا۔ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقیناً اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے دیکھا۔ قاضی کے سامنے کس طرح حاکم سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا کبھی ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہو سکتا ہے۔ وہ ابھی اس غور و فکر میں تھا کہ اسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟

بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ ہاں وہ عظیم فوج جس کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جس نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جو طاقت بھی اس کے راستے میں آئی اسے وہ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے مگر آج وہی فوج ایک کمزور سے جسم کے مالک قاضی کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے۔

آج صبح کی بات ہے ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام تھا، اس نے مقدمہ کی سماعت کی، چند منٹوں کی سماعت۔ عدالت میں دو طرفہ بیانات سنے۔ سپہ سالار کا اقرار اور پھر دو تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔

مسلمانوں کے کمانڈر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دیدیا۔ عدالت کے حکم کے مطابق وہ شہر سے نکلنے کے بعد تیاری کے لیے باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر دوبارہ لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ کیا اہل سمرقند اس میل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلہ کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا باطل دین اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا۔ کیا وہ نور اسلام کا مقابلہ کر پائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں، رب کا فیصلہ آچکا ہے کہ ظلم و ستم کی رات کو ختم ہونا ہے۔ دنیا پر نئی فجر طلوع ہو رہی ہے۔ اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا: تمہاری کیا رائے ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے، کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ ارے جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس نے انہیں پکارا۔ سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا:

ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنتے ہو۔ کان اس

کی طرف لگ گئے۔اس نے کہا:

فَلَقَدْ شَهِدْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

میں تو اس بات کی گواہی دے چکا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں

اور اب بڑے کاہن کی باری تھی، وہ بولا: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر اور رسول ہیں۔

پھر سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔انہوں نے مسلم مجاہدین کے گھوڑوں کی باگیں پکڑلی ہیں۔وہ کہہ رہے ہیں: اس ملک سے واپس مت جاؤ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ہم نے اپنوں کا راج دیکھا ہے، ان کے ظلم وستم سے ہم خوب واقف ہیں۔آپ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ ہم سب نے بھی تمہارے دین کو قبول کرلیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد مسلمان فوج واپس ایک اسلامی ملک میں ان سے لڑنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی حفاظت کے لیے داخل ہو رہی تھی۔

کوئی حاکم ومحکوم باقی نہیں رہا، کوئی غالب اور مغلوب نہیں رہا سب کے سب اللہ کے لیے بھائی بھائی بن گئے ہیں۔

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں۔ ہاں فرق کرنے والی چیز تقویٰ ہے۔لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے والے اور خیر کے کاموں میں سبقت حاصل کرنے والے کو فضیلت ضرور حاصل ہے۔

قارئین کرام! اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی دولت داخل ہوگئی اور اس میں سے کبھی بھی یہ دولت نہیں نکل سکی۔ بات ختم کرنے سے پہلے اسلام کے اس نامور جرنیل قتیبہ بن مسلم کے بارے میں ذرا تفصیل سے جانتے ہیں، پھر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

یہ قتیبہ بن مسلم بن عمرو بن حصین ہیں۔ان کے والد مسلم بن عمرو سیدنا عبد اللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ مصعب بن زبیر ان دنوں عراق کے گورنر تھے۔قتیبہ کا لڑکپن اور نوجوانی کا عرصہ گھڑسواری، تیراندازی اور شمشیر زنی کے کمالات حاصل کرتے ہوئے گزرا۔ جب وہ ایک شاندار جنگجو اور شہوار بن گئے تو امیر مہلب بن ابی صفرہ کی نگاہ انتخاب قتیبہ پر جا ٹھہری۔

مہلب کو انسانوں کے درمیان سے ہیرے تلاش کرنے کا بہت عمدہ تجربہ تھا۔انہوں نے اس نوجوان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا اور عراق کے گورنر کو لکھا کہ قتیبہ کو اپنی ٹیم میں شامل کرو چنانچہ قتیبہ جب ہر آزمائش میں پورے اترے تو انہیں

اسلامی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔

انہوں نے خوارزم، بخارا سمرقند، بلخ اور کاشغر کو فتح کیا۔ وہ جس طرف رخ کرتے وہاں اسلام کے جھنڈے لہرا دیتے۔ جب آپ نے بخارا کے آخری شہر بیکند کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنے چند جاسوسوں کو شہر کے اندرونی حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہاں کے عمائدین نے ان جاسوسوں کو بھاری رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ قتیبہ کے سامنے جا کر ایک مایوس کن رپورٹ پیش کریں اور صورتحال کو ہولناک بنا کر اس کی اس طرح وضاحت کریں کہ قتیبہ بد دل ہو کر شہر کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دے اور واپس چلا جائے۔ قتیبہ کو جاسوسوں کی خیانت کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے ان تمام جاسوسوں کو قتل کر دیا اور اپنے لشکر کو جمع کر کے ان کے سامنے ایک عظیم الشان خطبہ دیا۔

انہیں جہاد پر ابھارا حتی کہ تمام فوج ایک نئے ولولے کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔ اسلامی فوج نے بہادری اور جرات کی شاندار داستانیں رقم کیں اور شہر فتح ہوگیا۔ بیکند کی فتح کے بعد اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔

قتیبہ بن مسلم 94 ہجری میں افغانستان کا رخ کرتا ہے اور کابل کو فتح کرتا ہے۔ پھر یہ مسلم جرنیل قسم کھاتا ہے، اس نے کہا تھا: میں اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا جب تک میں چین کی مٹی کو اپنے قدموں سے روند نہ لوں، یا مجھے چین کا بادشاہ جزیہ ادا نہ کرے۔ جب چین کے بادشاہ کو قتیبہ بن مسلم کی قسم کے بارے میں علم ہوا تو اس نے سونے کا ایک بڑا برتن بنوایا، اس میں چین کی مٹی ڈالی۔ شاہی خاندان کے 4 افراد کے ساتھ جزیہ اور سونے کا برتن جس میں چین کی مٹی تھی قتیبہ کو بھجواتا ہے اور کہتا ہے:

مسلم جرنیل! چین کی اس مٹی کو قدموں تلے روند کر اپنی قسم پوری کر لے اور ہمارے ملک کا رخ نہ کرے ہمیں جزیہ کی ادائیگی منظور ہے۔

☆.....☆.....☆

کوپن برائے

"وہ کون تھا؟"

نام: .....

ولدیت: .....

مکمل ایڈریس: .....

تعلیم: .....

جواب: .....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

ہمدرد عالیان

بلال محسن

چند عرصہ پہلے کی بات ہے ایک نہایت شریف گھرانے میں ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ والد نے اس کا نام عالیان رکھا۔ سبھی گھر والوں نے خوشی منائی۔ سب کا منہ میٹھا کرایا۔ قاری صاحب سے بچے کی سلامتی کی دعا کروائی۔ بچے کی اچھی پرورش کی گئی۔ دو سال کا ہوا تو گھر پہ اسلامی کلمات یاد کروائے گئے اور چار سال کی عمر میں قریبی مسجد میں داخل کروایا گیا۔ جہاں اُس نے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ دوران تعلیم اُس کے والد دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

ماں دوسروں کے گھروں کے کام کاج کر عالیان کی پرورش کرنے لگی۔ اُس کی ماں روزانہ اُسے دو آنے دیتی اور کہتی۔

''میرے پیارے بیٹے! ایک آنہ خود پہ خرچ کرنا اور دوسرا آنہ لوگوں کی مدد میں۔''

اس نصیحت کی وجہ سے عالیان انسانوں سے ہمدردی کرنے لگا اور ہر آئے دن اس کی انسانیت کے لیے ہمدردی بڑھتی چلی گئی۔ اس نے مدرسہ سے

ہی کچھ سکول والی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔جس سے اس کو اردو اور عربی پڑھنے لکھنے میں عبور حاصل ہوگیا۔ والدہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ ماں کی جگہ عالیان خود کام کرنے لگا۔ پانچ وقت باجماعت نماز پڑھتا۔گھروں میں کام کرتا اور گھر آتے ہی ماں کی خدمت میں لگ جاتا۔لیکن ماں کی طبعیت ٹھیک ہونے کی بجائے دن بدن بگڑ رہی تھی۔

جتنے پیسے وہ کماتا اس سے روٹی اور ماں کے لیے دواخانہ سے دوا لے جاتا۔ ماں کی حالت خراب ہوتے دیکھ کر اس کی پریشانی بڑھنے لگی۔ لوگوں نے شہر کے بڑے ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا لیکن اس کے پاس گاڑی کا کرایہ تو دور کی بات تانگے پہ لے جانے کے پیسے بھی نہیں تھے۔وہ سفید پوش تھا کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا تھا۔سبھی رشتہ داروں نے قطع تعلق کرلیا لیکن اس نے اپنی ماں کی خوب خدمت کی، دعائیں مانگیں لیکن جو قدرت کو منظور، وہ تو ہونا ہی تھا۔

جمعرات کے دن اور عصر کے وقت اُس کی والدہ دارفانی سے کوچ کرگئی۔ماں کی وفات کا اُس کو بہت صدمہ پہنچا۔کیونکہ وہ حساس طبیعت کا مالک تھا۔انسانیت سے بے پناہ ہمدردی تھی۔لیکن پھر خدا کی رضا سمجھ کے خاموش ہوگیا۔ پڑوسی کے پاس رہنے لگا۔انہوں نے ایک ہوٹل پہ کام کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ہوٹل پہ وہ سبھی سے خوشدلی سے پیش آتا۔غریبوں کو اپنے پیسوں سے کھانا کھلاتا۔

عالیان کی خوش اخلاقی اور ہمدردی کی وجہ سے جو بھی اس سے ملتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ مدرسے سے اس نے اُردو اور فارسی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اس لئے اکثر اوقات وہ کتب خانے سے علامہ اقبال کی لکھی ہوئی کتابیں لے آتا اور فارغ اوقات میں بیٹھا پڑھتا رہتا۔عالیان نے علامہ اقبال کے خودی کے پیغام کو بہت اچھے طریقے سے پڑھا اور سمجھا۔انسانیت سے ہمدردی تو اس میں پہلے سے موجود تھی لیکن خودی کے تصور نے اُس کے جذبات کو مزید اُبھارا۔ اُس نے خود کی ذات کو پرکھا اور ایک مقصد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔اُس کا عظیم مقصد ہسپتال کی تعمیر، مفت علاج کی فراہمی اور غریبوں کے لیے مفت ٹرانسپورٹ کی سہولت میسر کرنا تھی۔

عالیان کی عمر تقریباً بیس برس ہو چکی تھی۔ وہ ہوٹل کے کام کر کے اکتا چکا تھا۔اس لیے اس نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے ہوٹل کو چھوڑ دیا۔ اُس نے سب سے پہلے ہوٹل سے کمائے ہوئے کچھ پیسوں سے سڑک کنارے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری بنائی اور غریبوں کو سستی دوائی دینے لگا۔ہوٹل چھوڑنے کے بعد اُس نے مختلف جگہوں یہ کام کئے تاکہ زیادہ پیسے کمائے اور تیزی سے اپنی منزل کی جانب بڑھے۔

تھوڑے کچھ دنوں بعد عالیان نے اپنے

جاننے والے ایک سرکاری ڈاکٹر کو اپنی ڈسپنسری پہ بٹھالیا جو شام کے وقت غریبوں کا مفت علاج کرتا تھا- اس کارخیر کی وجہ سے لوگ اس کو اپنا خیر خواہ ماننے لگے اور اس کی عزت کرنے لگے ۔تقریبا ایک سال کے عرصہ کے بعد مختلف سرکاری افسروں سے ملاقات کے بعد آخر کار گورنمنٹ سے ہسپتال کے لیے اس نے جگہ منظور کروالی۔

ہسپتال بنانے کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت تھی لیکن سرکار کی جانب سے فی الحال کوئی بجٹ کی منظوری نہ ہوئی تھی۔ہسپتال بنانے کی بھی اشد ضرورت تھی۔وہ ایک سفید پوش انسان تھا۔کسی سے سوال کرنا اُس کے لئے شرمندگی کا عمل تھا۔ لیکن عالیان کے ایک قریبی دوست نے اسے سمجھایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے طلب کرنا کوئی بُری بات نہیں اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔تو اس کو مدنظر دیکھتے ہوئے اس نے ہسپتال کی تعمیر کے لیے چندے کا اعلان کر دیا۔اعلان سنتے ہی سب اُس کی جانب لپکے، بچے، بوڑھے، جوان سبھی نے اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ ملایا کچھ خواتین نے تو اپنے زیور اتار کر جمع کروا دیے۔ گاؤں کے سبھی سرداروں نے بھی حصہ ملایا۔سبھی لوگ اس کی عظیم شخصیت سے واقف تھے اور سب کو اس پہ بھروسا تھا۔

ہسپتال کی تعمیر شروع ہوئی۔گاؤں کے سبھی مزدور بغیر معاوضہ لیے مزدوری کرتے رہے۔وہ خود مزدور کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔دو سال کی انتھک محنت کے بعد ہسپتال کی تعمیر مکمل ہوئی۔ حکومت نے جدید آلات اور ڈاکٹروں کی منظوری دے دی۔سبھی کے کہنے پہ عالیان کے ہاتھوں ہسپتال کا افتتاح ہوا۔ پورے گاؤں والوں نے اس کو بہت دعائیں دیں۔ ہسپتال میں سبھی مریضوں کا مفت علاج ہونے لگا۔مریض صحت مند ہونے کے بعد عالیان اور اُس کے مرحوم والدین کو خوب دعائیں دیتے۔وہ ان دعاؤں سے سکون پاتا۔ہسپتال کی تعمیر کے بعد بھی اُس کا مقصد پورا نہ ہوا تھا۔مریضوں کی سہولت کے لئے ایمبولینس کی ضرورت تھی۔

کچھ عرصہ بعد عالیان نے پھر اعلان کیا تو لوگ اُس کی مدد کرنے کو آپہنچے۔پیسوں، سونے، چاندی کے زیورات سے اُسکا تھیلا بھر گیا۔ اُس نے ایمبولینس خرید کر ہسپتال کے لیے وقف کر دی اور وہ خود ایمبولینس چلانے لگا۔روزانہ مریضوں کو ہسپتال لے کے آنا پھر واپس گھر چھوڑ کے آنا اُس کا روزانہ کا معمول تھا۔ ایک دن جب وہ شام کے وقت مریض کو گھر چھوڑ کر واپس آرہا تھا تو اس نے دو معصوم بچوں کو گلی کے کونے پہ روتے دیکھا۔اُس نے گاڑی روکی اور رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کی والدین کی وفات کے بعد سوتیلی ماں

نے روٹی مانگنے کے بدلے گھر سے نکال دیا۔ اُس نے دونوں کو گاڑی میں بٹھایا اور ہسپتال کے کوارٹر میں لے آیا جہاں وہ خود رہتا تھا۔

اُس نے سوچا کہ اس طرح کے کئی اور بچے بھی ہونگے جو لاوارث ہونگے اور دنیا کے ظلم وستم کا شکار ہوتے ہونگے۔ اس نے بچوں کی پرورش کے لیے علیحدہ ادارہ بنایا۔ اور اُس میں لاوارث بچوں کی پرورش اور تربیت ہونے لگی۔ اُس نے ابھی شادی نہ کی تھی اُس کا مقصد انسانیت کی خدمت تھا۔ وہ خود پرانے کپڑے پہن کر لاوارث بچوں کو نئے کپڑے پہناتا، اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کے پیار کرتا۔ کچھ رشتہ داروں اور کچھ عزیز دوستوں کی پراسرار ضد کی وجہ سے اُس نے شادی کرلی۔ سنت کے مطابق سادگی سے مسجد میں نکاح کروایا۔ لاوارث بچوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا گیا۔ اس کی زوجہ بھی اس کی طرح ہمدرد نکلی۔

جیسے جیسے عالیان کی شہرت بڑھتی گئی۔ اس کے چندے کی رقم میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ اس رقم کو ایمانداری سے نیک کاموں میں خرچ کرتا چلا گیا۔ اس نے غریب اور یتیم بچیوں کی شادیاں کروائیں۔ بیواؤں کو وظیفہ دیا۔ ہسپتال میں بہترین سہولیات دیں۔ ایمبولینس کا دائرہ کار وسیع کر دیا۔ ملک کے مختلف شہروں میں ایمبولینس کی سہولت دی۔

عالیان کی عمر اب ستر سال ہو چکی تھی۔ اس کے سفید بال آچکے تھے لیکن اُس کا مقصد و جذبہ انسانیت کی خدمت ابھی بھی جوان تھا۔ اس نے یہ مقصد اپنی اولاد میں بھی منتقل کر دیا۔ وہ خدا کو راضی کر چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

ضروریات

والدین کو ان کی زندگی میں ہی خوشیاں دینا، ان کی خدمت کرنا، ان کی ضروریات پوری کرنا، ان کی دعائیں لینا اور انہیں راضی رکھنا۔

اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کے نام پر خیراتیں کی جائیں، اور والدین کی شان پر لمبی چوڑی تحریریں اور تقریریں کی جائیں۔ والدین کو ان کی حیات میں ہی خوش رکھنا، ان کا سہارا بننا، ان کی خواہشات پوری کرنا، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان کی خدمت کر کے دل و جان سے راضی کر لینا اصل ہے رخصت ہونے کے بعد تو لوگ غیروں کو بھی اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔

حامد حسن

شان حضرت زینب رضی اللہ عنہا

دانیال حسن چغتائی

پیارے پیارے مسلمان بچو!! آپ نے نبی کریم ﷺ کی ازواج کے بارے میں پڑھا۔اب ہم خانوادہ نبوی کی اگلی کڑی یعنی نبی کریم ﷺ کی اولاد کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے ہاں چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ چاروں بیٹیاں حضرت خدیجتہ الکبری رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں۔ان میں سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس کے پانچ سال بعد سیدہ زینبؓ پیدا ہوئیں۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 30 سال کے قریب تھی۔گویا جب اسلام کا آغاز ہوا، اس وقت آپ کی عمر 10 سال تھی۔اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تھا۔آپ کے ساتھ ہی آپ کی اولاد بھی اسلام میں داخل ہوئی۔

مکہ معظمہ میں ابوالعاص بن ربیع کا شمار شریف لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ دولت مند تاجر تھے۔حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے گزارش کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص سے کر دینا چاہیے۔آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رائے کا بہت احترام فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے سیدہ کا یہ مشورہ فوراً مان لیا اور حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص سے کر دیا گیا۔

جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قریبی لوگ ابی طالب کی گھاٹی میں رہنے پر مجبور ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے ان دنوں ان حضرات کی خوب مدد کی۔ یہ شدید تنگی کے تین سال تھے۔ ان میں ابو العاص غلہ وہاں پہنچاتے رہے۔ وہ یہ غلہ گھاٹی کے دہانے پر رکھ دیتے اور آواز لگا کر واپس مڑ جاتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ ”ابو العاص نے ہماری دامادی کی بہترین رعایت کی اور اس کا حق ادا کیا۔“

مکہ کے لوگوں کی دشمنی جب حد سے بڑھ گئی تو انھوں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ یہ لوگ ابوالعاص کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”اے ابو العاص! تم زینب (رضی اللہ عنھا) کو طلاق دے دو تم قریش میں سے جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہو گے، ہم تمہارا نکاح اس عورت سے کرا دیں گے۔“

اس پر ابو العاص نے کہا: میں اپنی بیوی زینب (رضی اللہ عنھا) کو طلاق نہیں دے سکتا اور ان کے بدلے میں قریش کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو ابوالعاص کی تعریف فرمائی۔

مسلمان مدینہ منورہ پہنچ گئے تو انھیں کافروں سے جہاد کرنے کی اجازت ہوگئی۔ مسلمان اور کافروں میں جنگیں شروع ہوگئیں۔ اس سلسلے کی سب سے اہم جنگ غزوہ بدر تھی۔ اس میں قریش مکہ پوری تیاری سے میدان بدر میں پہنچے۔ دوسری طرف 313 صحابہ آنحضرت ﷺ کی قیادت میں کفار کے مقابلے کے لیے میدان بدر میں آگئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کچھ کافر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔

حضرت ابو العاص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے پاس اپنے شوہر کی رہائی کے لیے نقد رقم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ ہار انھیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ فدیہ جات پیش کیے جا رہے تھے کہ یہ ہار آپ کے سامنے کیا گیا۔ ہار کو دیکھتے ہی آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا یاد آگئیں۔ اس دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ تمام صحابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم پسند کرو تو ابو العاص کو رہا کر دو اور یہ ہار جو معاوضے کے طور پر آیا ہے، واپس کر دو۔“

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے فرمایا: آپ درست فرماتے ہیں۔ ہم بلا معاوضہ ابو العاص کو رہا کرتے ہیں اور زینب رضی اللہ عنھا

کے ہار کو واپس کرتے ہیں۔

اس موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے فرمایا: تم وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینب کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دے دو گے۔ جی میں وعدہ کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ اس طرح ابو العاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیا گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا والا ہار واپس کر دیا گیا۔

چند دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف روانہ فرمایا، تا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو مدینہ منورہ لے آئیں۔ ادھر ابو العاص رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ تمام حالات حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو سنائے۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا: میری طرف سے تمہیں اجازت ہے، تم خوشی سے اپنے والد کے پاس جا سکتی ہو۔

حضرت زینب رضی اللہ عنھا ہجرت کی تیاری میں لگ گئیں۔ تیاری مکمل ہو گئی اور وعدہ پورا کرنے کا دن آ گیا تو ابو العاص نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ حضرت زینب اونٹ پر سوار ہوئیں اور کنانہ نے اپنے تیر کمان بھی ساتھ لے لیے۔ انھوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور روانہ ہوئے۔ کنانہ انھیں اس طرح لیے چلے جا رہے تھے کہ قریش مکہ کو اس بات کا پتا چل گیا۔ وہ وقت بھی دن کا تھا، جب حضرت زینب کا اونٹ ایک وادی کے پاس پہنچ گیا تو مکہ والے راستے میں آ گئے۔ پہلا شخص جو تکلیف پہنچانے کی نیت سے آگے آیا، وہ ہبار بن اسود تھا، اس نے نیزے کا وار کیا۔ آپ نیچے گر پڑیں اور زخمی ہو گئیں۔

چند دن بعد رات کی تاریکی میں پھر کنانہ کے ساتھ نکلیں اور اس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں جہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح وہ مدینہ پہنچیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنھا نے آپ صلی اللہ وسلم سے راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف کا ذکر کیا کہ کس طرح ہبار بن اسود اور اس کے ساتھیوں نے آپ کا راستہ روکا اور انھیں زخمی کیا۔ پھر کس طرح کنانہ نے انھیں حضرت زید رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری بیٹیوں میں زینب سب سے افضل ہے۔ جو میری وجہ سے مصیبت زدہ ہوئیں۔“

حضرت زینب رضی اللہ عنھا نے 8 ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ سیرت لکھنے والوں نے موت کا سبب وہ زخم لکھا ہے جو مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے وقت آیا تھا، یعنی جب آپ پر تیر سے وار کیا گیا تھا اور آپ اونٹ سے گر پڑی تھیں۔ آپ کی روح پرواز کر گئی تو گھر میں موجود آپ کی بیٹیاں اور دوسری عورتیں رونے چلانے لگیں۔ ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے روکا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر سختی نہ کرو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا: تم شیطانی آواز نکالنے سے پرہیز کرو۔ جو آنسو آنکھ سے بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور یہ اس کی رحمت ہے اور جو کچھ ہاتھ سے یا زبان سے کیا جائے، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی صاحب زادی کی وفات پر امت کو یہ تعلیم فرمائی کہ کسی کی موت پر ہاتھ اور زبان سے بے صبری کی حرکات نہ کرو۔ مسلمانوں کے لیے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہ جاہلیت کی رسومات تھیں جو لوگ اپنے عزیز و رشتہ دار کی موت پر کرتے تھے۔ اسلام نے صبر اور برداشت کی تعلیم دی ہے جیسا کہ اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے غسل کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ہدایات پر ہوا۔ غسل میں ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حصہ لیا۔ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اسے ابالا گیا۔ اس پانی سے تین بار غسل دیا گیا۔ پھر کافور کی خوشبو لگائی گئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان خاتون تھیں جن کا جنازہ اس اہتمام سے اٹھایا گیا۔

نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ پھر جنازے کو قبر کے پاس لایا گیا۔

قبر کی تیاری میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آخر آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ قبر تیار ہے۔ اب آپ ﷺ خود قبر میں اترے۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرے پر غم کے آثار کم ہو چلے تھے، چہرے پر بشاشت آگئی تھی۔ صحابہ کرام حیران تھے۔ آخر آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ! پہلے آپ بہت غم زدہ تھے، ہم کچھ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اب آپ ﷺ کے چہرے پر بشاشت آگئی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قبر کی تنگی اور اس کی خوفناکی میرے سامنے تھی اور زینب کا کمزور ہونا مجھے معلوم تھا۔ بس یہ بات مجھے ناگوار گزر رہی تھی۔ میں نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ زینب کے لیے اس حالت کو آسان فرما دیا جائے۔ اللہ تعالی نے یہ بات منظور فرمالی اور زینب سے اس مشکل کو دور کر دیا۔ (یعنی اس لیے تم اب میرے چہرے پر بشاشت دیکھ رہے ہو)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے وقت جو زخم آئے تھے، وفات سے پہلے وہی زخم دوبارہ تازہ ہو گئے تھے اور آپ کی وفات کا سبب بھی وہی زخم بنے تھے، اس بنا پر اہل اسلام نے آپ کو شہید قرار دیا ہے۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

☆.....☆.....☆

کشادگی

قانتہ رابعہ

سارے بچے ہی بہت اچھے تھے لیکن فرحان پتہ نہیں کس پر چلا گیا تھا۔ انتہاء درجے کا کنجوس، تنگ دل اور بقول بڑی باجی آمنہ کے ،نرا شودا، اپنی چیز چھپا کر رکھنا اور دوسروں کی چیزوں میں زبردستی حصے دار بننا۔

حد ہی ہوگئی یعنی چاکلیٹ پسند ہے تو اپنی چاکلیٹ بیگ میں چھپا کر سب سے چھوٹی بہن نمرہ کے پاس ندیدوں کی طرح بیٹھ گیا۔ حد ہی ہوگئی۔ امی ابو بھائی جان سب کے سب فرحان کی اس عادت سے نالاں تھے۔

یہ نہیں کہ کوئی سمجھاتا نہیں تھا، امی دن رات سمجھاتیں۔ نصیحت کرتیں ،کنجوس لوگوں کے متعلق دنیا والوں کی رائے پیش کرتیں ،کھلے دل والوں کے فضائل بیان کرتیں، وقتی طور پر فرحان میاں سر ہلاتے وعدہ کرتے اور جب من پسند چیز ہاتھ میں آتی تو پھر ماتھے پر بل اور انداز یہی کہ تو کون اور میں کون؟

ابو نے تو امی سے کہہ دیا تھا کہ اب اس کو سمجھانا کم کر دو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

امی کو اس سے بھی اختلاف تھا۔

”واہ! بھئی واہ! میاں! خوب کہی آپ نے ایسی عادتیں وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ پختہ ہوتی

ہیں یا چھوٹتی ہیں؟"

بیچارے ابو یہ کڑوا مگر سچا جواب سن کر چپ ہو جاتے۔!!!

پھر ایک واقعہ پیش آیا۔ دس گیارہ سال کے فرحان کو اپنی عادت چھوڑنے کا اعلان کرنا پڑا۔ سب کی موجودگی میں انہوں نے کہا، آئندہ میں بھی ان شاءاللہ چیزوں میں سے حصہ نکالا کروں گا۔

ہوا یوں کہ منصور چچا روزگار کے سلسلے میں کئی سالوں سے آئرلینڈ میں مقیم تھے۔ اپنی شادی کے لیے پاکستان آئے تو سارے بچوں کے لیے ایک جیسے تحائف لائے۔ کینڈیز، چاکلیٹ اور کھلونے۔

سارے ہی من پسند چیزیں لے کر بہت خوش تھے۔ سب بار بار منصور چچا کا شکریہ بھی ادا کر رہے تھے۔ سب نے اپنی چاکلیٹ میں سے ایک آدھ چاکلیٹ ضرور ہی کسی نہ کسی کو دی۔

لقمان نے کام والی ماسی کے بیٹے کو، نمرہ نے مالی بابا کے ساتھ آنے والے بچے کو اور برہان نے اپنی چاکلیٹ دادی اماں کو کھلائی۔

بس ایک فرحان تھا جس نے نمرہ کی چاکلیٹ میں سے لی اور لقمان سے بھی مانگی۔

بھلا جو دوسروں سے مانگ کر لیتے ہیں کیا وہ بھی کسی کو دیتے ہیں؟ سکول سے واپسی پر نمرہ کے ہاتھوں میں بہت ہی خوبصورت تحفہ تھا جو اس کی کلاس ٹیچر نے رزلٹ پر اچھے نمبر لینے والے بچوں کو دیا۔

نمرہ نے کھول کر دیکھا تو "واؤ! زبردست" کہا، کیا اچھا تحفہ تھا کلر مارکرز، کوکو موکا ڈبہ اور منی سی کہانیوں کی کتاب!

سب نے نمرہ کو اچھے رزلٹ پر شاباش دی اور تحفے بھی اور اسی وقت دروازے پر گھنٹی بجی، کام والی ماسی دیکھنے گئیں تو ہاتھوں میں ٹرے لے کر اندر آئیں۔

"بی بی جی! لقمان میاں کے دوست آئے ہیں، یہ پلاؤ اور زردہ لے کر آئے ہیں"

"افوہ! ڈرائنگ روم میں تو برہان کے سر آئے ہوئے ہیں، میں اپنے دوستوں کو کہاں بٹھاؤں؟" لقمان کو فکر ہوئی۔

"امی! بھیا! یہ دیکھیں! سر نے مجھے کیا دیا؟" خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ برہان ہاتھوں میں چھوٹا سا کھلونا لے کر آیا۔

"یہ کیا ہے؟" فرحان نے پوچھا۔

"سر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی کراچی جائیں گے میرے لیے تحفہ ضرور لائیں گے" یہ دیکھیں اس نے ریموٹ کنٹرول گاڑی کا ڈبہ اسے دکھایا۔

"وہ کیوں بھلا؟ کبھی استاد بھی شاگردوں کو تحفے دیتے ہیں" فرحان سے اتنا قیمتی اور خوبصورت تحفہ برداشت نہیں ہو رہا تھا" اس نے کہا۔

"میں نے بھی سر کو کل دو چاکلیٹ دی

تھیں، ویسے بھی میں سر کی ہر بات مانتا ہوں۔ سر بہت خوش ہوئے تھے"

رات کے کھانے پر ابو کو سب اپنے تحفے دکھا رہے تھے سوائے فرحان کے، وہ کچھ سنجیدہ اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آج ہی سب نے تحفے تحائف لے کر اسے پریشان کرنا تھا یعنی سب کے ہاتھوں میں کوئی نہ کوئی تحفہ؟

"ارے! یہ فرحان کیوں گم سم ہے؟" دادی جان نے اسے چپ بیٹھے دیکھا تو پوچھا۔

"کچھ نہیں دادی جان!" اس نے دادی جان کو آہستہ سے کہا۔

اسے دادی جان کی یہ بات تو سمجھ میں آچکی تھی کہ دینے والے کو اللہ بھی دیتا ہے لیکن کیا تھا اسے بھی دے دیتے! امی نے اسے افسردہ دیکھ کر اپنے پاس سے اسے ایک دو چیزیں دیں اور بولیں۔

"فرحان! ایک بات بتاؤں؟ جو چیز خود کو بہت پسند ہو اس میں سے کسی کو دینا واقعی دل گردے کا کام ہے، لیکن یہ ہر کسی کے بس میں بھی نہیں کہ یہ کام بس وہی کر سکتا ہے جس پر اللہ کی خاص رحمت ہو، تم نے پڑھا ہی ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تھے تو مدینہ والوں نے ان پر اور مہاجرین مکہ پر دل کھول کر مہمان نوازی کی؟ ہر چیز آدھی خود رکھی، آدھی مہاجرین کو دی، اس لیے اللہ کو بھی ان کی یہ عادت اتنی اچھی لگی کہ قرآن مجید میں قیامت تک کے لیے ان کی اس اچھی عادت کا ذکر کیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب مکہ فتح ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اپنے شہر میں رہ سکتے ہیں لیکن مدینہ کے لوگوں کی اسی عادت کی وجہ سے ان کے ساتھ واپس چلے گئے۔

اگر آج بھی کوئی مدینہ جائے تو مدینہ والوں کی یہ مل بانٹ کر کھانے والی عادت ضرور دیکھے گا مدینہ کے لوگ آج بھی کھلے دل والے ہیں تو اللہ نے بھی اپنے نبی کا روضہ مبارک اور مسجد نبوی ان کے حوالے کر دی۔ ہے ناں؟" امی نے اسے سمجھایا۔

لیکن یہ دیکھ کر وہ حیرت سے گنگ ہوگئیں جب ان کے دئے تحفوں میں سے ایک فرحان نے امی کو واپس کر دیا کہ یہ کل کام والی ماسی کے بیٹے کو دے دیں۔

امی کا دل مطمئن تھا اور پہلی بار نیکی کرنے پر فرحان کا امی سے بھی زیادہ۔

☆.....☆.....☆

مرادِ رسول، شہنشاہِ عدل وانصاف، خلیفۂ راشد، امیر المومنین، فاتح عرب وعجم خلیفہ ثانی

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یوم شہادت

حق اور باطل میں فرق کرنے والا

مولانا محمد طارق نعمان

خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، خسر رسول ﷺ داماد علی المرتضیٰ کا اسم مبارک عمر اور لقب فاروق ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا خاندانی شجرہ آٹھویں پشت میں حضور اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ آپ ؓ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام عتمہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے بعد پوری امت میں آپ کا مرتبہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے آپ ؓ عمر میں تقریبا گیارہ سال حضور اکرم ﷺ سے چھوٹے ہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ ؓ قریش کے باعزت قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اعلان نبوت کے چھ سال بعد آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ ؓ مراد رسول ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی، اے پروردگار! عمر یا ابو جہل میں جو تجھے پیارا ہو اس سے اسلام کو عزت وطاقت عطا فرما۔ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی اور

آپ ؓ مشرف با اسلام ہو گئے۔ آپ ؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے 39 مرد اسلام قبول کر چکے تھے آپ 40 ویں مسلمان مرد تھے۔ آپ ؓ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور انہیں حوصلہ ملا۔ اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے ہجرت کی چھپ کر کی مگر حضرت عمر ؓ مسلح ہو کر خانہ کعبہ میں آئے اور کفار کے سرداوں کو للکارا اور فرمایا کہ جو اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے وہ مجھے روک لے۔ حضرت عمر کی زبان سے نکلنے والے الفاظوں سے کفار مکہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور کوئی مد مقابل نہ آیا۔ ہجرت کے بعد آپ ؓ نے جان و مال سے اسلام کی خوب خدمت کی۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اسلام کی خدمت کرنے میں گزار دی۔ آپ ؓ نے تمام اسلامی جنگوں میں مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اسلام کے فروغ اور اس کی تحریکات میں حضور اکرم کے رفیق رہے۔

فضائل ومناقب

سیدنا فاروق اعظم ؓ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کی فضیلت میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب"

ترجمہ:۔ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتے تو عمر ہوتے۔ (مشکوۃ شریف)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم ہو چکی۔ اب قیامت تک کوئی بھی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ جو اس واضح حقیقت کے باوجود دعوی نبوت کرے یا جو کوئی اس کو نبی یا رسول مانے وہ ملعون کذاب کافر و مرتد ہے۔ مذکورہ حدیث سے حضرت عمر فاروق کے مرتبے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حضور پر نبوت ختم نہ ہوتی تو آپ کے بعد حضرت عمر فاروق نبی ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"بے شک میں نگاہ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ جن کے شیطان اور انسان کے شیطان دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔" (مشکوۃ شریف

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرما دیا۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق اسلام لائے تو حضرت جبرائیل حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آسمان والے عمر کے اسلام پر خوش ہوئے ہیں۔ (ابن ماجہ)

سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں آپ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئیں۔

سیدنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے رائیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

تاریخ خلفا میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کسی معاملہ میں کوئی مشورہ دیتے تو قرآن مجید کی آیتیں آپ کے مشورے کے مطابق نازل ہوتیں۔(تاریخ الخلفاء)

ایک مرتبہ سرورکونین ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے اس موقع پر پہاڑ میں کچھ حرکت سی پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا! اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ﷺ، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

خلیفہ سیدنا فاروق اعظم کو اسلام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔آپؓ کے سنہری کارناموں سے تاریخ اسلام کا چہرہ دمک رہا ہے۔عدل و انصاف کے باب میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔آپؓ کے عالی اطوار، شاندار کردار اور قابل رشک اسوہ حسنہ سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آپؓ کی شان اقدس میں چالیس سے زائد احادیث رسول ﷺ موجود ہیں۔آپؓ کو سسر رسول ﷺ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ کے عقد میں آنحضرت ﷺ کی نواسی اور سیدنا علی المرتضیٰؓ، فاتح خیبر کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ بھی آئیں اس لئے آپ کو خسر رسول ﷺ اور داماد علی المرتضیٰؓ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر کبھی دو سالن نہیں ہوتے تھے۔سفر کے دوران نیند کے وقت زمین پر اینٹ کا تکیہ بنا کر سو جایا کرتے تھے۔آپؓ کے کرتے پر کئی پیوند رہا کرتے تھے۔آپؓ موٹا کھردرا کپڑا پہنا کرتے تھے اور آپ کو باریک ملائم کپڑے سے نفرت تھی۔

آپؓ جب بھی کسی کو گورنر مقرر فرماتے تو تاکید کرتے تھے کہ کبھی ترکی گھوڑے پر نہ بیٹھنا، باریک کپڑا نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھانا، دربان نہ رکھنا اور کسی فریادی پر دروازہ بند نہ کرنا۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عادل حکمران بے خوف ہو کر سوتا ہے۔آپ کی سرکاری مہر پر لکھا تھا۔

عمر! نصیحت کے لئے موت ہی کافی ہے۔

آپؓ فرماتے، ظالم کو معاف کرنا مظلوم پر ظلم کرنے کے برابر ہے اور آپ کا یہ فقرہ آج دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں کے لئے چارٹر کا درجہ رکھتا ہے کہ "مائیں اپنے بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں، تم نے کب سے انھیں غلام بنالیا؟" آپؓ کے عدل کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو "فاروق" کا لقب دیا اور آج دنیا میں عدل فاروقی ایک مثال بن گیا ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت مقروض تھے چنانچہ وصیت کے مطابق آپ کا مکان بیچ کر آپ کا قرض ادا کیا گیا۔

آپؓ راتوں کو اٹھ اٹھ کر پہرا دیتے تھے اور لوگوں کی ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔فرمایا کرتے تھے، اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو کل

قیامت کے دن عمر سے اس بارے میں پوچھ ہوگی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے سنہری کارنامے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ایسے ایسے نظام دیے جو آج تک کسی نہ کسی شکل میں پوری دنیا میں رائج ہیں۔ دینی فیصلوں میں آپ نے فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کا اضافہ فرمایا، آپ کے عہد میں باقاعدہ تراویح کا سلسلہ شروع ہوا، شراب نوشی کی سزا مقرر ہوئی اور آپ نے سنہ ہجری کا آغاز کروایا، مؤذنوں کی تنخواہ مقرر کی اور تمام مسجدوں میں روشنی کا بندوبست فرمایا۔ دنیاوی فیصلوں میں آپ نے ایک مکمل عدالتی نظام تشکیل دیا اور جیل کا تصور دیا، آبپاشی کا نظام بنایا، فوجی چھاؤنیاں بنوائیں اور فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ آپؓ نے دنیا بھر میں پہلی مرتبہ دودھ پیتے بچوں، بیواؤں اور معذوروں کے لئے وظائف مقرر کیے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا جنت میں محل

رسالت مآب ﷺ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا اور وہاں ایک محل کو دیکھا اس محل کی خوبصورتی کے پیش نظر پوچھا کہ یہ عالی شان محل کس کا ہے تو جواب ملا کہ عمر بن خطاب کا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہا کہ اس محل کے اندر داخل ہو جاؤں مگر اے عمر! مجھے تیری غیرت یاد آ گئی اس لئے میں اس کے اندر داخل نہیں ہوا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ رو پڑے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان کیا میں آپ پر بھی غیرت کروں گا۔

پردے کی آیات کا نزول

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضور اکرم سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور اس وقت آپ کی خدمت میں آپ کی ازواج بھی ہوتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم دیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے اس طرح عرض کرنے پر ازواجِ مطہرات کے پردے کے بارے میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ: "اور جب تم امہات المومنین سے استعمال کرنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو!"

حضرت عمرؓ کا یہودی کو جواب

ایک مرتبہ ایک یہودی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ تمہارے نبی جس جبرائیل فرشتہ کا تذکرہ کرتے ہیں وہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ حضرت عمر فاروق نے اس کو جواب دیا۔

"جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ

دشمن ہے کافروں کا"

جن الفاظ کے ساتھ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے یہودی کو جواب دیا بالکل انہی الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت کریمہ نازل فرمائی۔(پ 1 ع 12)

ان واقعات سے حضرت عمر فاروق کی شان و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر محبوب تھے کہ آپ کے خیال کے مطابق قرآن مجید کی کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

میں نے تم سے زیادتی کی مجھے بھی ویسی سزا دو!

ایک دفعہ آپؓ دربار کا وقت ختم ہونے کے بعد گھر آئے اور کسی کام میں لگ گئے۔اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا،امیر المومنین آپ فلاں شخص سے میرا حق دلوا دیجئے!آپؓ کو بہت غصہ آیا اور اس شخص کو ایک درا پیٹھ پر مارا اور کہا،جب میں دربار لگاتا ہوں تو اس وقت تم اپنے معاملات لے کر آتے نہیں اور جب میں گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتا ہوں تو تم اپنی ضرورتوں کو لے کر آجاتے ہو۔

بعد میں آپ کو اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تو بہت پریشان ہوئے اور اس شخص کو (جسے درا مارا تھا) بلوایا اور اس کے ہاتھ میں درا دیا اور اپنی پیٹھ آگے کی کہ مجھے درا مارو میں نے تم سے زیادتی کی ہے۔وقت کا بادشاہ ایک عام آدمی سے کہہ رہا ہے میں نے تم سے زیادتی کی مجھے ویسی ہی سزا دو۔اس شخص نے کہا میں نے آپ کو معاف کیا،آپ رضی اللہ عنہ نے کہا،نہیں نہیں کل قیامت کو مجھے اس کا جواب دینا پڑے گا تم مجھے ایک درا مارو تا کہ تمہارا بدلہ پورا ہو جائے۔

آپ رضی اللہ عنہ روتے جاتے تھے اور فرماتے، اے عمر! تو کافر تھا،ظالم تھا،بکریاں چراتا تھا،خدا نے تجھے اسلام کی دولت سے مالا مال کیا اور تجھے مسلمانوں کا خلیفہ بنایا،کیا تو اپنے رب کے احسانوں کو بھول گیا آج ایک آدمی تجھ سے کہتا ہے کہ مجھے میرا حق دلاو تو تو اسے درا مارتا ہے۔

اے عمر! کیا تو سمجھ بیٹھا ہے کہ مرے گا نہیں،کل قیامت کے دن تجھے اللہ کو ایک ایک عمل کا حساب دینا پڑے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی بات کو دھراتے رہے اور بڑی دیر روتے رہے۔

اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو چکا ہوتا

حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا میری شادی کو آج چھٹا مہینہ ہے،لیکن اسی مہینے میری عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا ہے۔اس بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا،عورت کو سنگسار کردو!

حضرت علیؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ کہا،یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وحملہ وفصالہ ثلثون شہراً

بچے کا حمل اور اس کے دودھ پینے کا زمانہ تیس مہینے ہوتا ہے، ممکن ہے دو سال دودھ پینے کا زمانہ ہو اور چھ مہینے حمل کا۔

امیر المومنین عمرؓ نے یہ سن کر اپنا حکم واپس لیا اور فرمایا لولا علی لہلک عمر یعنی اگر علی یہاں موجود نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو چکا تھا۔

اسی طرح ایک عورت حاضر ہوئی، جس کے پیٹ میں ولد الزنا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے عورت کی سنگساری کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ پھر نہ رہ سکے، فرمایا اگر گناہ کیا ہے تو اس عورت نے کیا، مگر اس بچہ نے کیا قصور کیا ہے جو ابھی پیٹ ہی میں ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، بہت بہتر، سزا وضع حمل تک ملتوی رکھی جائے۔ اس موقعہ پر بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو چکا ہوتا۔

خلافت فاروق اعظمؓ پر ایک نظر

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے بعد دس سال چھ ماہ دس دن تک بائیس لاکھ مربع میل زمین پر اسلامی خلافت قائم کی۔

آپ کے دور میں 3600 علاقے فتح ہوئے۔ قیصر و کسریٰ دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کا خاتمہ آپ کے دور میں ہوا۔

آپ کے عہد میں عدالت کے ایسے بے مثال فیصلے چشم فلک نے دیکھے جن کا چرچا چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

فتوحات عراق، ایران، روم، ترکستان اور دیگر بلاد عجم پر اسلامی عدل کا پرچم لہرانا سیدنا فاروق اعظمؓ کا بے مثال کارنامہ ہے۔

حضرت عمر فاروق کے زریں اور درخشندہ عہد پر کئی غیر مسلم بھی آپ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

حقیقت میں آنحضرت ﷺ کے آفاقی دین کو تعمیر ترقی کے اوج ثریا پر پہنچانے اور دنیا بھر میں اسلام کی سطوت و شوکت کا سکہ بٹھانے کا سہرا حضرت فاروق اعظمؓ کے سر ہے۔

ارشادات فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

جو شخص راز چھپاتا ہے اس کا راز اس کے ہاتھ میں ہے۔

فرمایا لوگوں کی فکر میں اپنے آپ کو نہ بھول جا۔

مجھے سائل کے سوال سے اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

آدمی کے نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کے معاملات اور عقل کو دیکھو۔

علم و عقل کی زیادتی موقوف نہیں۔

توبہ کی تکلیف سے گناہ کا ترک کر دینا زیادہ سہل ہے۔

دولت سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتی۔

جو شخص برائی سے آگاہ نہیں وہ ضرور اس میں گرفتار ہوگا۔

کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکا نہ کھا! اگر

صبر وشکر دو سواریاں ہوتیں تو میں پرواہ نہ کرتا کہ کس پر سوار ہوں۔ حقیر سے حقیر پیشہ بھی ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔

شہادتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک غلام تھا جو مجوسی تھا۔ اس کا نام ابولولو تھا۔ یہ مجوسی ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اپنے مالک کی شکایت لے کر آیا کہ اس کا مالک اس سے روزانہ چار درہم وصول کرتے ہیں آپ اس میں کمی کرا دیجئے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا تم بہت سے کام کے ہنر مند ہو تو چار درہم روز کے تمہارے لئے زیادہ نہیں ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ غصے میں آگ بگولہ ہو گیا اور آپ کو قتل کرنے کا مکمل ارادہ کر لیا اور اپنے پاس ایک زہر آلود خنجر رکھ لیا۔

26 ذی الحجہ 23ھ بروز بدھ آپ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ جب آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو اسلام دشمن مجوسی آپ پر حملہ آور ہو گیا اور اتنا سخت وار کیا کہ آپ بری طرح زخمی ہو گئے اور یکم محرم الحرام کو دس سال چھ ماہ اور چار دن مسلمانوں کی خلافت کے امور انجام دینے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔

آپ کی تدفین حضرت عائشہؓ کی اجازت سے حضور ﷺ کے پہلو میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت صُہیبؓ نے پڑھائی۔

(اناللہ وانا الیہ راجعون)

آج امام عدل و حریت، خلیفہ راشد، امیر المومنین، فاتح عرب وعجم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روضہ رسول میں آنحضرت ﷺ کے پہلو مبارک میں مدفون ہیں۔

زاویہ نظر

زندگی میں جس شخص کو دو وقت کی روٹی مل گئی۔ سر چھپانے کو چھت مل گئی اور جسم کسی بڑی بیماری سے محفوظ رہا تو اللہ کے پیارے حبیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ ایسا ہے گویا پوری دنیا کی دولت سمیٹ کر اللہ نے اس شخص کے قدموں میں رکھ دی۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ!

جائزہ لیجئیے بھلا اس سے کئی گنا زیادہ اللہ نے نواز رکھا ہے، ایک وقت کا کھانا کھاتے ہوئے اگلے ایک ماہ کا کھانا ہمارے پاس ذخیرہ ہوتا ہے۔ سر پر چھت ہے۔ کرائے کی ہے تو خزانوں کا مالک اپنی بھی دے دے گا، مانگنے میں کمی ہو سکتی ہے۔ ہسپتالوں میں جا کر اپنا نزلہ کھانسی مذاق لگے گا۔ اس لئے ہر لحظہ شکر ادا کیا کریں۔

بنت نصیر

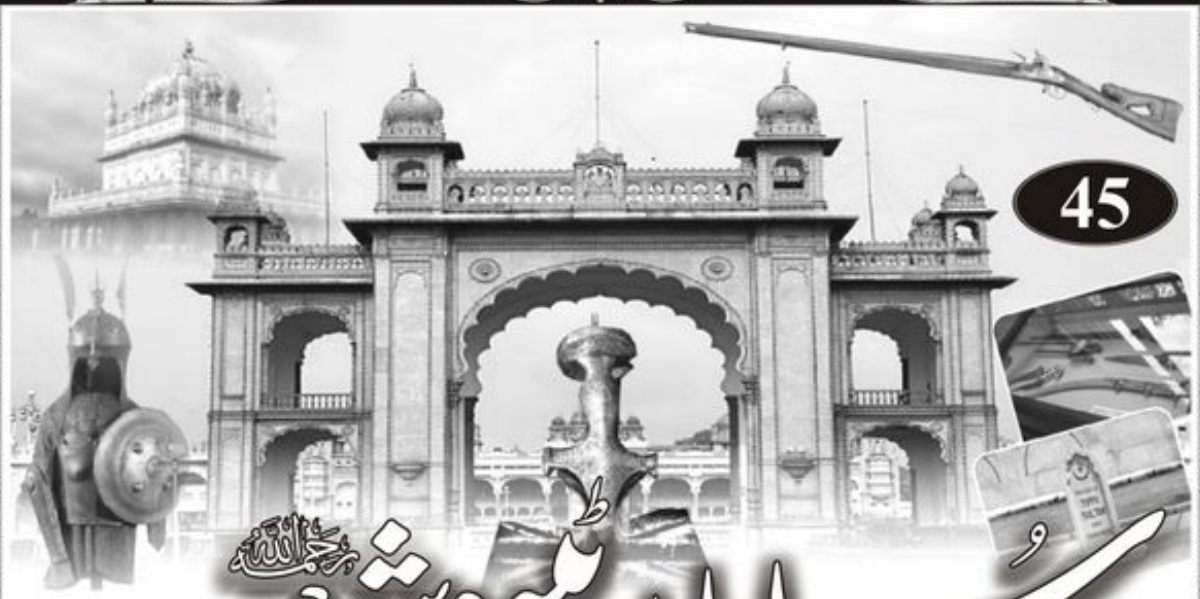

45

سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ

عبدالحفیظ امیر پوری

”مہارانی! حیدر علی کو شکست دینے کی ایک اور تدبیر بھی ہے۔“ کرشن راؤ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”سرنگا پٹم میں ایک غریب برہمن گیانی، وجے آنند رہتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ پر اُس کی گہری نظر ہے۔ وہ دعوی کرتا ہے کہ اگر اس کے منصوبے پر عمل کیا جائے تو میسور کے علاقے سے مسلمانوں کے اقتدار کا نام ونشان مٹ سکتا ہے۔“

”کہاں ہے وہ؟“ رانی دیوا جی منی نے پر شوق لہجے میں پوچھا۔

”سرنگا پٹم کے ایک گاؤں میں افلاس اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔“ کرشن راؤ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”اگر مہارانی نے مالی طور پر اس کی سرپرستی کی تو وہ ہمارے لئے بہت زیادہ سود مند ثابت ہو گا۔ بساط سیاست کا بڑا ذہین شاطر ہے۔ اکثر ہاری ہوئی بازیاں بھی جیت لیتا ہے۔“

”اُسے فوراً ہمارے حضور میں پیش کرو!“ رانی دیوا جی منی بے قرار ہو کر بولی۔

”ہم اس کے ایک اشارے پر اپنی ساری دولت لٹا دیں گے۔ مگر وہ ہمیں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کی خوشخبری سنائے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔“

پھر جب گیانی وجے آنند کو رانیوں کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ تینوں عیار رانیاں اس کی باتیں سن کر حیران رہ گئیں۔

”حیدر علی کی حکومت میں ہندو منصب دار بھی اہم کردار ادا کریں گے۔ مگر اس طرح مسلمانوں کا

اقتدار ختم نہیں ہوگا۔" گیانی وجے آنند نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"دراصل نواب حیدر علی کی ہلاکت کے لئے جس ہتھیار کی ضرورت ہے، وہ خود اس کے اسلحہ خانے میں ہی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟" رانی لشم مانے چونک کر کہا۔ وہ گیانی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔

"ہمیں حیدر علی کے ان مسلمان سرداروں کو تلاش کرنا ہوگا جو بظاہر نواب کے وفادار نظر آتے ہیں۔ مگر خود ان کے اپنے سینوں میں حصول اقتدار کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔"

گیانی جے آنند نے اپنے منصوبے کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں وہ لوگ درکار ہیں جو ہیں تو مسلمان، مگر درپردہ اپنے ہی مذہب کے دشمن ہیں۔"

"ایسے لوگ کہاں ملیں گے؟"

رانی دیوا جی منی بدستور حیرت زدہ نظر آرہی تھی۔ ہمیں انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ مگر یہ ایک دشوار اور دیر طلب کام ہے۔ گیانی نے رانیوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو بتا تا رہوں گا کہ ہمارا مطلوبہ شخص کون ہے۔"

"تو پھر تمہیں سری رنگ ناتھ کے مندر کے بڑے پجاری کے منصب تک پہنچا دیا جائے گا تاکہ تم آسانی سے اپنی تلاش جاری رکھ سکو۔"

رانی لشم مانے بھوکے گیانی کو دولت اور مذہبی اقتدار کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں" گیانی وجے آنند نے گھبرا کر کہا۔

"اس کا ذکر بھی کسی سے نہ کیجئے گا۔ مندر کے کئی پجاری حیدر علی کی نظروں میں آچکے ہیں۔ اگر میں بڑے پجاری کے منصب تک پہنچا تو اس کے جاسوس میری بھی نگرانی کرنے لگیں گے اور پھر مجھے اپنا کام جاری رکھنے کے سلسلے میں بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔

اگر مناسب سمجھیں تو اس سیوک کو راج محل کے کسی گوشے میں ہی پڑا رہنے دیں۔"

رانیوں نے فوراً ہی گیانی وجے آنند کی درخواست قبول کرلی اور اسے اپنے محل میں ایک بہت آراستہ کمرہ دے دیا جہاں دن رات اُس کی خدمت کی جاتی تھی اور اس طرح دو روٹیوں کو ترسنے والا برہمن، لذیذ غذاؤں کے ساتھ دن رات شراب کے نشے میں غرق رہتا تھا۔

گیانی وجے آنند ایک اعلیٰ درجے کا نجومی اور دست شناس بھی تھا۔ اس نے تینوں رانیوں کے ہاتھ دیکھ کر پیش گوئی کی تھی کہ طویل جدوجہد کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گی۔ گیانی کی آمد اور پُر اُمید باتوں سے راج محل کی ویران فضا کیف ونشاط کے قہقہوں اور سازشوں کی سرگوشیوں میں تبدیل ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کچھ دن بعد سرنگا پٹم کے ایک مالدار بنئے آشئی نے کرن راؤ کے نام اپنا خط دے کر ایک بیس بائیس سالہ ہندو نوجوان کو بھیجا۔ آشئی نے بس چند سطریں تحریر کی تھیں۔

''مہاراج! ایک کمال کی چیز بھیج رہا ہوں۔ اس کی کم عمری پر نہ جانا، بڑا ہوشیار لڑکا ہے۔ توجہ کی تو بہت کام آئے گا۔''

کرشن راؤ نے خط پڑھنے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے تیکھے نقوش اور سانولے رنگ والا نوجوان کھڑا تھا۔

''کیا کام کرسکتا ہے؟''

''مہاراج جو حکم دیں گے۔'' ہندو نوجوان نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''نواب حیدر علی کو قتل کرسکتا ہے؟'' کرشن راؤ نے تند و تیز لہجے میں پوچھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دبلا پتلا اور کم عمر نوجوان اس قدر خوف ناک سوال سن کر لرز جائے گا۔ مگر اس وقت کرشن راؤ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ہندو نوجوان مسکرانے لگا۔

''اگر مہاراج ہتھیار فراہم کر دیں تو میں ہندوستان کے بڑے سے بڑے شخص کا قتل کر سکتا ہوں۔'' ہندو نوجوان کا جواب سن کر کرشن راؤ اُچھل پڑا۔

''شاباش! مجھے ایک ایسے ہی کارندے کی ضرورت تھی۔'' یہ کہہ کر کرشن راؤ اٹھا اور ہندو لڑکے کو اپنے ہمراہ لے کر گیانی وجے آنندہ کے پاس پہنچا۔ گیانی بہت دیر تک لڑکے کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا، پھر اس نے ہندو نوجوان کا ہاتھ دیکھا اور پھر جھٹکے کے ساتھ چھوڑ دیا۔

''یہ لڑکا آگے چل کر بہت کچھ کرے گا۔ اسے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

''گیانی! تم نے اس لڑکے کے ہاتھ میں کیا دیکھا؟'' کرشن راؤ نے وجے آنند سے پوچھا۔

''کامیابی کی لکیر'' گیانی مسکرایا۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں وہ لکیر موجود ہے۔ ہمارے سامنے مستقبل کا ایک بہت بڑا آدمی کھڑا ہے۔

اس کے بعد گیانی اور کرشن راؤ اس لڑکے کو لے کر میسور کی رانیوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رانیوں نے گیانی کا دعویٰ سنا اور پھر ہندو نوجوان سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''میسور ایک ہندو ریاست تھی، جس پر مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے۔ تجھے یہاں رام راج واپس لانا ہوگا۔''

ہندو نوجوان، رانیوں کے قدموں پر جھک گیا۔

''ایسا ہی ہوگا اور اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

ایک نوعمر لڑکے نے بڑے عجیب انداز سے عہد کیا تھا۔ پھر تینوں رانیاں، گیانی وجے آنند اور کرشن راؤ اس لڑکے کو لے کر سری رنگ پاتھ کے مندر میں پہنچے۔ پھر اسے بڑے بت کے چرنوں میں

جھکا کر یہ عہد لیا گیا۔

''اگر میں عہد سے پھر جاؤں تو اپنے باپ کی اولاد نہیں ہوں اور مجھ پر ہمیشہ کے لیے دیوتاؤں کی لعنت ہو۔''

اس قول وقسم کے بعد داروغہ محلات، کرشن راؤ نے اس ہندو نوجوان کو سرکاری ملازمین میں شامل کرلیا۔

اس نوجوان کا نام پورنیا تھا۔ پورنیا 1746ء میں ضلع ترچناپلی میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کا نام کرشنا چاری تھا اور ماں کا نام لکشمی اما۔

جب پورنیا گیارہ سال کا ہوا تو اس کے باپ کرنا چاری کا انتقال ہوگیا۔ غریب لوگ تھے، اس لئے پورنیا کی ماں دوسروں کے گھروں میں کام کر کے گزر اوقات کرتی تھی۔

پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا، جس کا نام ونکٹ راؤ تھا۔ 1941ء میں یہ خاندان ترچناپلی سے ترک سکونت کر کے ستی منگل میں مقیم ہوگیا۔ یہاں پورنیا نے ایک مالدار بنیئے رنگیا کی ملازمت اختیار کرلی۔

پورنیا بہت ذہین تھا۔ رنگیا کی ملازمت کے دوران وہ خالی اوقات میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ رنگیا نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی اور چند سالوں کے اندر پورنیا کو حساب کتاب میں طاق کر دیا۔

رنگیا کے تعلقات سرنگاپٹم کے بنیے آشئی سے تھے، جو محلات شاہی سے تجارتی تعلق رکھتا تھا۔ آخر پورنیا نے آشائی کی ملازمت اختیار کرلی۔ آشئی اور کرشن راؤ کے درمیان خصوصی مراسم تھے۔ آخر ایک دن پورنیا کرشن راؤ تک پہنچ گیا اور کرشن راؤ نے اسے ایک خاص مقصد کے تحت ملازم رکھ لیا۔

☆.....☆.....☆

جب تمام سیاسی ہنگاموں سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی، سید اکرام بخاری کی خدمت میں لمبے عرصہ بعد حاضر ہوا اور گفتگو کے دوران انگریزوں سے صلح کرنے کا ذکر آیا تو سید صاحب خاموش نہ رہ سکے۔

''نواب! تم اپنی سیاسی ضرورتوں کو خود بہتر سمجھتے ہو مگر مجھے انگریزوں پر اعتبار نہیں ہے۔''

نواب حیدر علی نے سید صاحب کا تبصرہ سنا مگر احتراماً خاموش رہا۔ وہ سید اکرام بخاری کو ایک با کردار عالم سمجھتا تھا لیکن ذاتی طور پر اُسے یہ پسند نہیں تھا کہ ایک گوشہ نشیں اور دنیا کے معاملات سے بے خبر بزرگ اُسے سیاسی امور میں بھی مشورے دیتا رہے۔

''میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں یا کسی بھی مسلمان کو فرنگیوں سے کوئی فیض نہیں پہنچے گا۔'' والیٔ میسور کو خاموش پا کر سید صاحب نے دوبارہ اپنے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔

''سوائے اس مسلمان کے جو اپنے مذہب سے برگشتہ ہو جائے، انگریز کسی اہلِ ایمان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے''

"آپ یہ دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟"

آخر نواب حیدر علی نے لب کشائی کی۔

"میری حیثیت ہی کیا، جو کوئی دعویٰ کر سکوں۔ سید صاحب نے اپنے روایتی انکسار کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور پھر ایک گوشہ نشیں فقیر، حکمرانوں کی مصلحت کو سمجھ بھی کیا سکتا ہے؟" سید صاحب نے در پردہ حیدر علی کی ذہنی کشمکش کی طرف بھی اشارہ کر دیا تھا۔

والیٔ میسور حیرت زدہ رہ گیا کہ سید صاحب پر اُس کے دل کی بات کس طرح منکشف ہوئی۔

"یہ میں نہیں، اللہ کی وہ کتاب کہہ رہی ہے جس کے ایک ایک حرف پر اکرام بخاری اس طرح ایمان رکھتا ہے کہ زیر یا زیر پر بھی شک کرے تو کافر ہو جائے۔"

یکا یک سید صاحب کے لہجے سے جلال روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔

"میرے خدا کا فرمان ہے کہ یہود و نصاریٰ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔" آیت قرآنی سن کر نواب حیدر علی کا رنگ فق ہو گیا۔

"سید محترم! میں انگریزوں سے صلح کرنے کے لئے مجبور تھا۔ مرہٹے، نواب ارکاٹ، نظام دکن۔۔ آخر ایک وقت میں کس کس سے لڑوں؟

بس یہی تدبیر سمجھ میں آئی کہ معاہدے کے ذریعے ایک طاقتور اور عیار حریف کو خاموش بیٹھنے پر مجبور کر دوں۔

میرا خیال ہے کہ اس صلح کے بعد باقی دونوں حریف بھی سرد پڑ جائیں گے کہ وہ فرنگیوں کے اشارے پر ہی رقص کرتے ہیں۔

"میں تمہارے معاہدے پر نکتہ چینی نہیں کر رہا ہوں مگر فرنگیوں کی طرف سے احتیاط شرط ہے۔" سید صاحب کے لہجے سے طنز جھلک رہا تھا۔

"جب یہ اپنے پیغمبر کے نہیں ہوئے پھر تم سے کس طرح عہد وفا نبھائیں گے؟ خدا تمہیں اس قوم کے شر سے محفوظ رکھے۔ جن کے چہرے روشن اور دل سیاہ ہیں۔"

نواب حیدر علی، سید صاحب کی خانقاہ سے اُٹھ کر محل پہنچا مگر راستے بھر اسے کرنل اسمتھ کے بیٹی ماریا یاد آتی رہی۔

جس نے رخصت ہوتے وقت کہا تھا۔

"نواب صاحب! میری قوم زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے۔"

اور اب سید اکرام بخاری بھی یہی بات کہہ رہے تھے۔ نواب حیدر علی کا ذہن کئی دن تک ایک ہی بات میں الجھا رہا۔

پھر وہ سب کچھ بھول کر نئے انداز سے فوجی تیاریاں کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

اللہ ﷻ کا دوست

کنیز باھو

"سلطان بیٹا! آپ نے ٹیسٹ کی تیاری کرلی کیا؟"

امی جان نے کمپیوٹر پہ گیم کھیلتے ہوئے سلطان کو مخاطب کرکے پوچھا۔سلطان نے امی کی جانب دیکھے بغیر "جی" کہہ کرٹال دیا۔

سلطان ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔وہ پڑھائی کے معاملے میں بہت کاہل اور نالائق تھا۔اسے پڑھائی میں دلچسپی ہی نہیں تھی۔

سلطان اور عفان دونوں جڑواں بھائی تھے۔دونوں ہم جماعت تھے۔عفان،سلطان کی نسبت ذہین،محنتی،اور معصوم تھا۔

عفان پیدائشی معذور تھا بچپن میں پولیو کے شدید جھٹکے لگنے کی وجہ سے،وہ بولنے کی صلاحیت سے محروم ہوگیا۔اشاروں سے بات سمجھانے کی کوشش کرتا جسے کچھ لوگ تو سمجھتے اکثر دوسرے لوگ اکتا کر اس کی بات سننا ہی پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی وجہ سے سلطان بھی بھائی سے بیزار تھا۔اسے لوگوں سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے شرم محسوس ہوتی، جیسے عفان کی معذوری میں اس کا قصور یا گناہ ہے۔

وہ دوستوں کے ساتھ مل کر اس کی نقلیں اتارنے، اس کا مذاق بنا کر خوب لطف اندوز ہوتا۔کام کی ڈنڈی مارنا ہو یا اپنے قصور کی سزا اسے دلوانا اوراس کے حصے کی ہر اچھی چیز چھیننا اپنا حق سمجھتا تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی سلطان انگلش کے ٹیسٹ میں فیل تھا جس کی وجہ سے ٹیچر نے اسے پورا پیریڈ کھڑا رہنے کی سزا سنائی۔وہ بہت ڈھیٹ تھا سزا میں کھڑے اسے اچانک شرارت سوجھی، مسکراتے ہوئے پیریڈ کی گھنٹی کا انتظار کرنے لگا۔

جیسے ہی ٹیچر کلاس سے باہر گئیں،سلطان نے کلاس کو متوجہ کیا:

"بچو! میرے دماغ میں ایک نیا کھیل آیا ہے۔آج جس جس کو سزا ملی، وہ اپنا ٹیسٹ پھاڑے پھر گولا بنا کہ پنکھے پہ ماریں گے جس کی زیادہ آواز آئی وہ ونر۔چلو شروع کریں،مزا آئے

گا۔" عفان حیرت سے آنکھیں پھیلائے طوفان دیکھنے لگا۔اسے بس اتنی سمجھ آئی کہ اس کے بھائی نے کلاس میں مہم جوئی سے یہ ہنگامہ برپا کیا ہے۔

کچھ شرارتی بچے یہ کھیل کھیلنے میں محو کاپیوں کتابوں کا ستیاناس کر رہے تھے،باقی خوف سے سہمے ذہن میں ان کی شامت، بشمول حجامت کا خاکہ بنا رہے تھے۔۔۔۔کلاس میں چیخوں کی بلند آواز کی وجہ سے شور پھیل گیا،جس کی وجہ سے کمرہ کھیل کے میدان میں بدل گیا۔

بریک کے بعد پرنسپل راؤنڈ پہ تھیں۔انہوں نے جیسے ہی ساتویں جماعت کے کمرے کا رخ کیا بچے بھاگم بھاگ فرش سے گولے سمیٹتے سیٹوں کی جانب لپکے۔

پرنسپل کی کلاس میں آمد گویا قیامت کا روپ دھار گئی،سب کے اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ایک دوسرے کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے قصوروار دوسرا ہے۔

کاروائی کی تفتیش سے سزا کے مراحل تک "سلطان" کا نام مجرم کی طرح سرخیوں میں جگمگا تا رہا۔

☆☆☆☆☆

پرنسپل نے سلطان کا نام سکول سے خارج کر دیا تھا۔اس کے والدین کو سکول بلوایا گیا۔ پرنسپل صاحبہ نے اسکی مما سے شکایت کی۔سفینہ (سلطان عفان کی مما) جانتی تھیں کہ وہ حد درجہ شرارتی بچہ ہے لیکن انہیں اس کے اس قدر بدتمیز ہونے کی امید نہ تھی۔

اپنی طرف سے پرنسپل سے معذرت کر کے سلطان کو سمجھانے،آداب سیکھانے اور آئندہ بعض رہنے کی تسلی دے کر اسے ساتھ لیے وہ گھر لوٹ گئیں۔گھر آنے کے بعد سلطان کو کمرے میں بند کر دیا گیا۔سلطان نے رونا شروع کر دیا، اور مظلوم بنتے ہوئے مما سے جھوٹ بولتے ہوئے، بے قصور بھائی پر ساری شرارت کا الزام لگا دیا۔

"مما! یہ عفان نے مجھے آئیڈیا دیا تھا یہ سب کرنے کا۔آپ نے اسے تو کچھ کہا ہی نہیں۔" پھر مما کی غصے بھری نگاہ کا رخ عفان کی طرف ہو گیا۔

سفینہ جانتی تھی کہ عفان بہت سلجھا ہوا بچہ ہے ،ایسے نہیں کر سکتا لیکن اس وقت وہ شدید غصے میں تھی اس لیے دونوں کی ہی شامت آ گئی۔

☆☆☆☆☆

عفان سیڑھیوں پہ گم سم بیٹھا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ اشاروں میں خلا میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔

سلطان اپنے دھیان میں مگن اچھلتا ،کودتا کرکٹ کھیلنے کے لیے جانے لگا کہ اس کی نظر سیڑھیوں پر پڑی۔

"اس گونگے پر لگتا ہے جن آ گیا ہے جو اکیلے بیٹھے کس کو اشارے کر رہا ہے۔" شریر سوچ کے زیر اثر اس نے قہقہے لگانا شروع کر دیے۔

اس نے "عفان" کو ہلا کے ڈرانا چاہا لیکن وہ

ٹس سے مس نہ ہوا۔وہ پاس پڑے پنسل اور چھوٹے سائز کی ڈائری کے ساتھ کھیلنے لگا۔سلطان سمجھ گیا کہ اب وہ اشاروں میں نہیں،بلکہ لکھ کہ بتائے گا۔

وہ جب ناراض یا اداس ہوتا تو اشارے نہیں کرتا تھا،نہ چہرے کی طرف دیکھ کہ بات کرتا نگاہ پھیرے،اپنی ڈائری میں محو ہو جاتا۔

معذوری کے باوجود اس نے ساتویں جماعت تک اردو لکھنا اور پڑھنا سیکھ لی تھی۔اس کی کتابوں سے گہری دوستی تھی فارغ اوقات میں اکثر بچوں کے رسالے،کہانیاں پڑھ کہ دنیا کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا۔

سلطان نے شرارتی انداز سے پوچھا:

"کس سے بات کر رہے تھے عفی؟"

وہ کاغذ پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا۔

پھر آنسو پونچھتے ہوئے پہلو بدلا اور صفحہ پر "دوست سے" لکھ دیا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے؟ کون دوست؟"

سلطان نے تجسس سے پوچھا۔

عفی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور شہادت کی انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوپر کس سے۔آسمان سے کیا پگلے؟"

سلطان پھر ہنستے ہوئے اسے چھیڑنے لگا۔

عفی نے گھور کے دیکھا،پھر پھرتی سے قلم چلانے لگا۔ایک لفظ لکھ کہ اس نے ڈائری سینے سے لگا لی۔

چہرے پہ عجب سرشاری اور تفاخر تھا۔

"عفی! میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تمھارے دوست کا اور نہ تمھارے دوست کو۔وعدہ۔

اب بتا بھی دو کون ہے۔کوئی بھوت ہے کیا؟" وہ متجسس ہوا۔

یہ سن کے عفان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی اس نے "نہ" میں سر ہلایا اور وہ صفحہ سامنے کر دیا۔وہاں "اللہ" لکھا تھا۔

سلطان بے یقینی سے کبھی صفحہ اور کبھی عفی کے چہرے پہ بکھری مسکراہٹ دیکھنے لگا۔وہ اندر ہی اندر شرمندگی سے ڈوبنے لگا۔

وہ کانوں کو ہاتھ لگائے زمین پہ بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑے معافی مانگنے لگا۔

"عفی! ہم اچھے بھائی ہیں نا! تم میری شکایت اپنے دوست سے نہیں لگاؤ گے نا؟ میں اب تمھیں تنگ نہیں کروں گا،نہ ماروں گا تمھاری ساری باتیں مانوں گا۔ہم ساتھ کھیلیں گے۔میں تمھیں کرکٹ کھیلنے بھی لے جاؤں گا ساتھ ۔۔۔۔اور ۔۔۔ہاں مما کو سچ بتا دوں گا وہ سکول والی حرکت میں نے کی تھی۔ان سے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ ہاتھ بڑھا کر عفی کے انداز میں ہی اشارے کر کے بولا:

"اب ہم دوست پکے"

سلطان جب عفی کے انداز میں عجب حرکتیں

کرکے اسے چھیڑتا تو عفی ہنستے ہوئے شرمانا شروع کردیتا۔ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کہ وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا، اس کی آنکھوں میں خوشی ناچ رہی تھی۔ وہ دونوں سیڑھیوں پر بیٹھے لکھ کہ بات کرنے میں مصروف تھے۔

☆.....☆.....☆

" حضرت سیدنا بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ وہ شرابی تھے، ایک دن شراب خانے سے لوٹ رہے تھے کہ راستے میں انہیں زمین پہ گرا کاغذ کا ٹکڑا ملا۔ انھوں نے اسے اٹھا کہ دیکھا تو اس پہ "اللہ" کا نام لکھا تھا۔ انھوں نے اسے صاف کیا، چوما، خوشبو لگا کہ کسی اونچی جگہ پہ ادب سے رکھ دیا۔ اور پتہ ہے اللہ نے انہیں کیا انعام دیا سلطان بھائی؟ اللہ نے انہیں بخش دیا، ان کے لیے جنت میں محل بنائے گئے۔

اللہ پاک کو ان کی اس ادا پہ اتنا پیار آیا کہ اللہ نے ان کو اپنے پیارے بندوں میں شامل کرلیا، اپنا "ولی" بنالیا۔"

وہ روانی سے لکھ رہا تھا جسے سلطان پڑھ کہ حیرت میں ڈوب گیا پھر کچھ دیر بعد بولا:

"عفی! یہ ولی کیا ہوتا ہے؟"

عفان نے محبت سے جواب لکھا:

"اللہ کے دوست کو ولی کہتے۔ تم بنو گے اللہ کے دوست؟" سلطان نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

"میں کیسے بن سکتا ہوں؟ میں تو بہت برا ہوں، گندا بچہ ہوں سب کو تنگ کرتا ہوں۔"

عفان مسکراتے ہوئے لکھنے لگا:

"اللہ جی ہم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ توبہ قبول کرنے والے، سب سے بڑھ کہ رحم کرنے والا ہے۔ تم معافی مانگ لو وہ تمھیں نہ صرف معاف کردے گا بلکہ اپنا دوست بھی بنالے گا۔"

سلطان نے اللہ سے معافی مانگ کر دوستی کرلی۔ اب وہ بھی عفان کی طرح ساری باتیں اپنے سب سے اچھے دوست "اللہ" سے کرنے لگا۔ اب بھی اس کا شرارتیں کرنے کا دل کرتا تھا لیکن وہ یہ سوچ کہ رک جاتا کہ

"اللہ اس کا دوست ہے، اسے دیکھ رہا ہے، اس سے ناراض ہوگا۔"

عفان اس کی پڑھائی میں مدد کرتا اور سلطان اب اسے گونگا کہنے اور اسے شرمندہ کرنے کے بجائے اس کی ڈھال بن گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ رہتا کسی کی جو بات عفان کو سمجھ نہ آتی وہ اسے اپنے انداز میں سمجھاتا۔ وہ خود بھی اس کی عزت کرتا اور دوسروں سے بھی کرواتا۔

عفان نے کچھ روز پہلے یہ قصہ ایک دینی کتاب سے پڑھا تھا۔ آج کلاس میں کاغذوں کی بے حرمتی دیکھ کر وہ کڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ ان پر "اللہ" کا نام بھی لکھا ہوسکتا ہے۔ اس نے سلطان کو لکھ کر یاد دہانی کرائی اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ آئندہ اخبارات، کاپی کے اوراق اور کتابوں کو ادب سے رکھے گا۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ذہانت اور حاضر جوابی کے چند دلچسپ نمونے

صدیوں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جو ہزاروں میں نہیں لاکھوں اور کروڑوں میں ہے سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی پیروکار رہی ہے۔

ہم آپ کو امام اعظم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ باقی تینوں آئمہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے زمانے میں مقدم، عمر میں بڑے، تابعین میں شامل اور بعد میں آنے والے سینکڑوں محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کے استاذ الاساتذہ تھے۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے حاضر جواب تھے۔ وہ بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے بھی حق بات کہنے سے نہیں کتراتے تھے، ہر سوال کا صحیح اور بے تکلف جواب دیتے تھے۔ کسی بھی مناظرہ میں انہوں نے شکست نہیں کھائی۔ کئی مرتبہ ان کے سامنے ایسے حالات آئے کہ اگر جواب دینے میں ذرا بھی لغزش ہوتی تو ان کا سر قلم کر دیا جاتا۔

ان کے مخالف ان کو اکثر خلیفہ کے دربار میں طلب کرا لیتے تھے اور بڑے پیچیدہ سوال کر کے انہیں غلط راستے پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنی ذہانت سے

اُلٹا انہیں لوگوں کو ان کے جال میں پھنسا کر خود صاف نکل جاتے تھے۔

☆.....☆.....☆

ایک مرتبہ بنوامیہ کے زمانے میں خارجیوں کے مشہور سردار ضحاک خارجی نے کوفے پر قبضہ کر لیا۔ وہ بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ خارجیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں کوئی بھی حق پر نہیں تھا، جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ ثالث کے فیصلے کو ماننے کیلئے تیار ہو گئے تھے اس لئے ان کے لشکر کے جو لوگ تلوار سے جنگ کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے اور مفاہمت کے خلاف تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے کٹ کر الگ ہو گئے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق سے ہٹا ہوا ماننا شروع کر دیا۔ یہی لوگ خارجی کہلائے۔

خارجیوں نے ایک منصوبہ تیار کیا جس میں حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے بیک وقت قتل کا پروگرام بنایا۔ جس کے تحت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

خارجی ہونے کی وجہ سے ضحاک حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما، دونوں کے حمایتیوں کا بڑا دشمن تھا۔ جو بھی ان دونوں میں سے کسی کو راہ حق پر بتاتا اس کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے معتقد ہیں۔ اس لئے ان کو سزا دینا چاہتا تھا۔

ایک دن ضحاک خارجی حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس پہنچا اور ان سے بولا، ابوحنیفہ! توبہ کرو کس بات سے توبہ کروں؟، امام صاحب نے پوچھا۔

تمہارا عقیدہ ہے کہ علی بن ابی طالب حق پر تھے اور ان کی خلافت جائز بھی جبکہ یہ غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ثالث کے سپرد اپنی خلافت کا معاملہ کیوں کرتے لہذا تم اپنے عقیدے سے توبہ کرو!

حضرت ابوحنیفہ نے فرمایا، ضحاک! اگر تم نے مجھے قتل کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو اور بات ہے، ورنہ میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی صحیح قبول کی تھی۔ ضحاک نے خوشی سے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"بیشک میں خود اس معاملے میں تم سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔"

لیکن ہمارے مناظرہ کا فیصلہ کس کے سپرد ہوگا؟ امام صاحب نے سوال کیا۔

اس کے لئے ہم لوگ متفقہ طور پر ایک حاکم مقرر کر دیتے ہیں، وہ جسے سمجھے گا حق پر مانے گا۔ ضحاک نے مشورہ دیا۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جس کو تم چاہو فیصلہ کرنے کیلئے ثالث مقرر کر لو، مجھے وہ ہی قبول ہے۔ چنانچہ ضحاک کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو ثالث مقرر کیا گیا۔

امام صاحب نے ہنس کر فرمایا، اب مجھے کسی مناظرہ کی ضرورت نہیں تم نے خود تسلیم کر لیا کہ حضرت علی حق پر تھے۔

وہ کس طرح؟ ضحاک نے حیرت سے پوچھا۔ جس طرح تم نے خود کو حق پر سمجھتے ہوئے بھی فیصلہ ثالث کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی کیا تھا۔

ضحاک امام ابو حنیفہ کی یہ بات سن کر دم بخود رہ گیا، اس کے پاس ان کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا، آخر پشیمان ہو کر واپس چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاندان اہل بیت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ خلیفہ منصور نے اولاد علی کو قتل و قید کی سزائیں دیں تو انہوں نے اس کے اس فعل پر اعلانیہ تنقید کرتے تھے۔

اہل موصل کے ساتھ منصور نے ان کو مغلوب کر کے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر آئندہ وہ کوئی بغاوت اس کے خلاف کریں گے تو خلیفہ کو حق ہو گا کہ ان کو قتل کر دے۔ ۱۴۸ھ میں خلیفہ کو اس معاہدہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے موقع ملا تو اس نے اہل موصل کا قتل کر کے ان کے بغاوت کے خدشہ کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے یہ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ، ابن ابی لیلیٰ اور شہر مہ کو بلا کر کہا:

''اہل موصل نے عہد کیا تھا کہ وہ بغاوت نہیں کریں گے اور اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے مال و جان مباح ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مومن اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں۔ موصل والوں نے اپنی شرطوں کو توڑ دیا لہذا آپ ان کا خون حلال ہونے کا فتویٰ دیں۔''

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو خاموش رہے مگر ابن ابی لیلیٰ اور شہر مہ نے فتوی دیا کہ اہل موصل آپ کی رعیت ہیں، اگر آپ ان کو معاف کر دیں گے تو یہ آپ کا حق ہے اور اگر سزا دیں گے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔

خلیفہ نے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔

''آپ کیوں خاموش ہیں؟ آپ بھی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔'' انہوں نے فرمایا:

''امیر المؤمنین اہل موصل نے آپ سے جس شرط پر معاہدہ کیا تھا اس کا انہیں حق ہی حاصل نہیں تھا اور آپ کو اس شرط پر سزا دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مومن کا قتل صرف تین صورتوں میں جائز ہے۔ یعنی شادی شدہ شخص زنا کر مرتکب ہو، عمداً قتل کرے، اعلانیہ مرتد ہو جائے۔

اہل موصل نے اگر آپ پر اپنا خون حلال کر دیا تو یہ شرط ایسی ہی ہے جیسے کوئی عورت نہ کسی کے نکاح میں ہو اور نہ اس کی لونڈی ہو لیکن وہ اپنے جسم کو اس پر مباح کر دے کیا ایسی حالت

میں اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہوگا؟"

منصور نے دوسرے فقہاء کو چلے جانے کو کہا پھر حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تنہائی میں بلا کر کہا، یا شیخ فتویٰ تو آپ ہی کا درست ہے۔ آپ ایسا فتویٰ نہ دیجئے جس سے خلیفہ کی مذمت کا پہلو نکلتا ہو کیونکہ اس سے باغیوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کسی کی مروت میں حق بات سے ہٹنے والے نہیں تھے۔ اس لئے خلیفہ ان سے زندگی بھر اپنی مرضی کے مطابق کوئی فتویٰ حاصل نہ کرسکا۔ (الکامل)

☆.....☆.....☆

خلیفہ منصور اور اس کی بیوی حرہ میں کچھ اختلاف تھا۔ وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ مساوات اور عدل قائم رکھنے میں کامیاب نہیں تھا۔ منصور کے تعلقات جب اس سے بہت کشیدہ ہوئے تو اس نے مطالبہ کیا کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

منصور نے حرہ سے کہا "میں انصاف کرنے کو تیار ہوں جو فیصلہ ثالث دے مجھے منظور ہے، تم کس کو اپنا ثالث بنانا چاہتی ہو؟"

حرہ نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہمارے اختلاف کا فیصلہ کریں۔" خلیفہ نے کہا، مجھے ابوحنیفہ کا ثالث ہونا بخوشی منظور ہے۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کو بلا کر کہا۔

"امام صاحب! میری بیوی حرہ مجھ سے جھگڑتی رہتی ہے۔ آپ ہم دونوں میں فیصلہ فرمادیں، آپ ہی بتائیں کہ ایک شخص ایک وقت میں کتنی عورتیں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؟"

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"بس نکاح کر سکتے ہو ایک وقت میں دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔" منصور نے پھر پوچھا: اور کنیزیں کتنی رکھ سکتا ہے؟

فرمایا "جس قدر چاہے رکھ سکتا ہے اس کی کوئی گنتی متعین نہیں۔" منصور نے کہا "کیا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے؟" فرمایا ہرگز نہیں۔"

منصور نے کہا۔

"آپ کا فیصلہ بالکل درست ہے۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مگر یہ اجازت شرط کے ساتھ ہے یعنی صرف اہل انصاف ہی اتنی عورتوں سے تمتع کرسکتا ہے جو عدل نہ کرسکے یا کسی بیوی کے ساتھ بے انصافی کا خطرہ لاحق ہو تو اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

امام صاحب کے اس فیصلہ کو سن کر منصور خاموش ہو کر رہ گیا اور امام صاحب تشریف لے گئے۔

امام صاحب گھر پہنچے تو پیچھے پیچھے حرہ نے ان کو بہت سارا انعام و اکرام بھیجا جس میں ایک عمدہ لونڈی، بہت سے بیش قیمت کپڑے اور ایک سواری بھیجی۔

آپ نے یہ تحائف واپس کرتے ہوئے کہا "میں نے دین کی مدافعت اور رضائے الٰہی کے پیش نظر حق بات کہی ہے۔ کسی کا تقرب یا دنیا کا لالچ میرا مقصود ہرگز نہیں تھا۔"

☆.....☆.....☆

عباسی خلفاء نے علماء، محدثین ائمہ اور فقہاء کو اپنی سیاست کا آلہ کار بنانے کی سب سے زیادہ کوشش کی اور ان کے انکار کرنے پر انہیں سخت مظالم برداشت کرنے پڑے لیکن ان حق پرستوں نے اعلانِ حق میں کبھی اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کی۔

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں اس لئے طلب کیا کہ ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دے لیکن وہ سمجھتے تھے کہ اس عہدے کو قبول کرنے کا مطلب ہے کہ غلط فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کرنا۔

چنانچہ انہوں نے اس سے کہا "امیر المؤمنین ! میں اس لائق نہیں ہوں کہ قاضی القضاۃ بنایا جاؤں"۔ منصور نے کہا، ابوحنیفہ ! تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا، سبحان اللہ ! اب تو امیر المؤمنین نے بھی اس بات کی شہادت دیدی کہ میں اس عہدے کے لائق نہیں ہوں کیونکہ ایک جھوٹا شخص قاضی القضاۃ نہیں بنایا جاسکتا۔

خلیفہ منصور کو آپ کے ان بے باک جوابات پر بہت غصہ آیا۔ جھلا کر کہا، ابوحنیفہ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔

امام صاحب نے فرمایا، امیر المؤمنین میں اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس عہدے کو کبھی قبول نہ کروں گا۔

درباریوں نے کہا، ابوحنیفہ یہ کیا کرتے ہو کہ امیر المؤمنین کے مقابلہ پر قسم کھاتے ہو۔ اب وہ قسم کھا چکے ہیں اس لئے تم اس عہدہ کو ضرور قبول کرلو۔ فرمایا، میرے مقابلہ میں امیر المؤمنین کو یہ بہت آسان ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردیں۔

منصور نے غضبناک ہو کر کہا، امام ابوحنیفہ کو کوڑے لگائیں جائیں اور جب تک یہ اس عہدے کو قبول کرنے کا اقرار نہ کرلیں انہیں جیل میں بند رکھا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن منصور کا ظلم وستم بھی اس عزیمت کے مینار کو زندگی بھر نہ جھکا سکا۔

☆.....☆.....☆

ایک مرتبہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابن شبرمہ کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا۔ اس پر انہوں نے گواہ پیش کئے۔ ابن شبرمہ نے امام صاحب سے کہا کہ وہ اپنے گواہوں کے سچا ہونے کا حلف اٹھائیں۔

انہوں نے فرمایا، مجھ پر قسم لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں اس وقت حاضر نہیں تھا جب اس ملک کی وصیت میرے حق میں کی گئی تھی جس کا

میں دعوے دار ہوں۔

قاضی نے کہا، آپ کے قیاسات کہاں گئے؟ امام صاحب نے فرمایا، اگر کسی اندھے کا سر پھوڑ دیا جائے اور دو گواہ شہادت دیں تو کیا اندھے شخص کو حلف اُٹھانے پر مجبور کیا جائے گا کہ اس کے گواہ بچے ہیں۔ حالانکہ اس نے انہیں دیکھا نہیں۔ ابن شبرمہ اس دلیل پر لاجواب ہو گئے اور ان سے حلف لئے بغیر ہی شہادت تسلیم کرلی۔

۱۵۰ھ میں اس مرد مجاہد کی وفات کا وقت قریب آیا۔ یہ بستر مرگ پر تھے لیکن آپ کو حق کے اعلان کی اس وقت بھی فکر تھی ۔تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ مر کر دفن ہونے کیلئے بھی حلال کی زمین درکار تھی۔

خلیفہ منصور پر کچھ زمین غصب کرنے کا الزام تھا۔ جب حضرت ابوحنیفہ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی:

مجھے غیر مغصوب، حلال وطیب زمین میں دفن کیا جائے۔ اس زمین میں کسی بھی حال میں دفن نہ کیا جائے جس کے غصب کرنے کا الزام امیر المؤمنین پر ہے۔

منصور کو اس وصیت کا پتہ چلا تو بولا۔

مجھے ابوحنیفہ سے کون چھڑائے گا۔ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔

ایک گزارش لکھاری حضرات وخواتین سے یہ ہے کہ ادارہ کو گزشتہ 6 ماہ سے آپ کی تحریروں کے حوالے سے چند شکایات کا سامنا ہے۔

1 تحریریں واٹس ایپ پر نامکمل بھیجی جارہی ہیں۔ کمپوز رحضرات آپ کی بھیجی گئی تحریریں کمپوز کرتے ہیں اور بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ صفحہ نمبر فلاں غائب ہے۔ جس کی وجہ سے شدید کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برائے مہربانی واٹس ایپ پر تحریر بھیجتے وقت دو سے تین بار خود چیک کریں کہ آپ جو تحریر ہمیں بھیج رہے ہیں کیا اس کے صفحات مکمل ہیں۔

2 دوسری شکایت یہ کہ تحریروں کے صفحات پر صفحہ نمبر نہیں لگائے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ادارے کو مسلسل پریشانی کا سامنا ہے۔ برائے مہربانی صفحات نمبر ضرور لگائیں۔ آئندہ ایسی تحریریں شائع کرنے سے پیشگی معذرت جن پر صفحات نمبر درج نہیں ہوں گے۔

3 تیسری شکایت یہ کہ تحریر کی تصویر کا معیار بہت خراب ہوتا ہے یا تصویر بسا اوقات ہلی ہوئی اور دھندلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے یہاں اسے کمپوز کرنا اور پھر اس کی پروفنگ کرنا ایک جاں گداز لمحہ ہوتا ہے۔ آئندہ سے ایسی تحریروں کی اشاعت سے بھی پیشگی معذرت۔

4 قسط وار تحریریں بھیجتے وقت خیال رکھیں کہ کم از کم پہلی پانچ اقساط پر مبنی تحریریں اکٹھی بھیجیں۔ ایسا نہ کریں کہ پہلی قسط بھیج کر ادارے کو اسے محفوظ رکھنے کی تاکید کر دی جائے اور پھر اگلے پانچ ماہ بعد دوسری قسط بھیجی جائے۔ برائے مہربانی کوشش کریں کہ قسط وار کہانی مکمل بھیجیں اور پی ڈی ایف بنا کر بھیجیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تصویروں کی شکل میں پہلی پانچ اقساط اکٹھی بھیجیں۔

امید ہے آپ ان گزارشات کا خیال رکھیں گے۔ آپ کا تعاون ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔

ادارہ

ابتدائی طبی امداد

بابر میاں انہماک سے سائیکل چلا رہے تھے کہ اچانک سامنے سے آتی تیز رفتار کار بہت قریب سے گزری اور وہ گھبرا کر قریبی پتھریلی زمین پر گر گئے۔ فوراً اُٹھنے کی جو کوشش کی تو ان سے اُٹھا نہیں گیا۔ پاؤں میں سخت تکلیف تھی۔ انہیں فوراً ایک قریبی کلینک لے جایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب بابر کو پہچانتے تھے۔ لہٰذا وہ بابر کے پاؤں کا معائنہ کرنے لگے۔ بولے:

"لگتا ہے موچ آ گئی ہے۔"

بابر نے پوچھا: "ڈاکٹر صاحب! یہ موچ کیا ہوتی ہے؟"

ڈاکٹر صاحب نے بتایا:

"بابر میاں! دراصل انسانی جسم ایک انجن کی مانند ہے۔ اس کے پُرزے زیادہ تر پروٹین سے بنے ہوتے ہیں۔ جب کہ ہڈیاں کیلشیم کے مرکبات سے بنتی ہیں۔ لوہے سے بنے انجن کی مرمت کے لئے لوہا درکار ہے اور انسانی جسم کی درستی کے لئے پروٹین اور کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے، جب ہمارا جسم جل جاتا ہے یا زخم ہو جاتا ہے تو جراثیم، پروٹین کو اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔

ہڈی ٹوٹ جانے کی صورت میں کیلشیم کے مرکبات کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اب میں بتاتا ہوں کہ موچ کسے کہتے ہیں۔

ہڈیوں کے جوڑ اپنی جگہ سے ہٹ جانے کو موچ آنا کہتے ہیں۔اس صورت میں جوڑ میں سخت درد ہوتا ہے۔ورم آجاتا ہے اور کبھی جلد کا رنگ بھی بدل جاتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے جوڑ کو روئی سے ڈھانپ دیں۔دباؤ کی پٹی باندھیں ،تاکہ ورم زیادہ نہ ہو۔

بعض دفعہ موچ جیسی کیفیت ہوتی ہے،لیکن یہ دراصل عضلات کا کھنچاؤ ہوتا ہے۔ایسی صورت میں متاثرہ جگہ کو گرمی پہنچائیں اور ہلکے ہاتھ سے اوپر کی طرف مالش کریں۔

اگر چوٹ لگنے سے ورم ہو جائے تو کسی کپڑے کو ٹھنڈے پانی سے تر کر کے نچوڑ کر رکھیں یا ربر کی بوتل میں برف بھر کر متاثرہ جگہ پر رکھیں۔"

اس دوران ڈاکٹر صاحب بابر کے پاؤں کا ہر طرح جائزہ لیتے رہے۔

بابر نے کہا:"ایک بار چھوٹے بھائی کے گلے میں مٹر کا دانہ پھنس گیا تھا۔ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟"

ڈاکٹر صاحب نے پاؤں کی ہڈی کا جوڑ بیٹھانے کے لئے دباؤ ڈالا تو بابر کی چیخ نکل گئی، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسے باتوں میں لگا لیا:

"ہاں ،یہ حلق والا معاملہ بھی بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔"

حلق یا سانس کی نالی میں کوئی چیز پھنسنے کے نتیجے میں سانس رکنے سے زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے،کیونکہ دماغ کو آکسیجن کی فراہمی رک جاتی ہے۔

سانس بند ہونے لگے تو عالمی ریڈ کراس فرسٹ ایڈ کے طریقے "پانچ اور پانچ" کو اختیار کیا جاتا ہے۔

اس میں متاثر شخص کے کندھوں کو پچھلی تکونی ہڈیوں کے درمیان ہاتھ کے نچلے حصے سے پانچ گھونسے لگائیں۔اس کے بعد پیٹ پر پانچ دفعہ زور زور سے دباؤ ڈالیں۔

یہ عمل "ہیملخ کی مشق"(Heimlich maneuver) کہلاتا ہے۔اسے اس وقت تک دہراتے رہیں جب تک پھنسی ہوئی چیز نکل نہ جائے۔

اگر آپ اکیلے ہیں اور گلے میں کچھ پھنس گیا ہے تو اپنی ناف سے کچھ اوپر ہاتھ کی مٹھی رکھیں۔دوسرے ہاتھ کو اس مٹھی پر رکھ کر کسی سخت سطح مثلاً اسٹول یا کرسی وغیرہ پر جھکائیں۔مٹھی کو اوپر نیچے پانچ مرتبہ دبائیں۔حلق کی رکاوٹ دور ہونے تک یہ عمل جاری رکھیں۔"

بابر نے معلومات کی خاطر سوال کیا:"ڈاکٹر صاحب! خدانخواستہ اگر کوئی آگ یا گرم پانی سے جل جائے تو کیا کیا جائے؟"

ڈاکٹر صاحب نے بابر کے پاؤں پر پٹی باندھتے ہوئے کہا:"جل جانے سے متاثرہ جگہ

سرخ اور گرم ہو جاتی ہے اور ورم آجاتا ہے۔

اس حصے کی خون کی باریک نالیاں پھیل جاتی ہیں، جس سے دوران خون میں رطوبتیں کم ہو کر بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے۔ دماغ کو پورا خون نہ ملنے سے بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

آگ جلدی خلیات کے پروٹین کو امینو ایسڈز میں بدل دیتی ہے جو اعصاب کے ذریعے درد کا احساس پیدا کرتے ہیں، لہٰذا جلے ہوئے حصے پر چونے کا پانی، میٹھے سوڈے کا محلول وغیرہ لگانا چاہیے۔

میٹھے سوڈے کا اندرونی استعمال بھی سکون کا باعث ہوتا ہے۔ جو کپڑا جل کر جلد سے چپک گیا ہو، اسے الگ نہ کریں۔

زیادہ جلنے کی صورت میں صاف کپڑے سے زخم کو ڈھانپ دیں یا جراثیم کش محلول میں ململ کے کپڑے کو بھگو کر جلے ہوئے حصے پر لپیٹ دیں۔ جلی ہوئی جگہ پر تیل ہرگز نہ لگائیں۔

جل جانے سے جو چھالے پڑ جاتے ہیں انھیں بھی نہ پھوڑیں۔"

اسی وقت ایک بزرگ مریض اندر داخل ہوئے تو ڈاکٹر صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بابر نے احتیاط سے اُٹھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی فیس ادا کی اور شکریہ کہہ کر باہر نکل آیا۔ فرسٹ ایڈ کے بارے میں اسے پوری طرح علم تھا، مگر وہ اب تک بنا نہیں سکا تھا۔

اب اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ ضروری ادویہ اور اوزار ایک بکس میں ضرور رکھے گا۔

☆.....☆.....☆

فتنوں کے دور کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت!

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فتنوں کا دور جب آئے گا تو اس میں بیٹھنے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

جو اس میں جھانکے گا فتنہ بھی اسے اچک لے گا اور اس وقت جسے جہاں بھی پناہ مل جائے بس وہیں پناہ پکڑ لے تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے۔" (صحیح البخاری)

(ایمن حفصہ)

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تک

قسط 13

غازی محمد صدیق شہید رحمۃ اللہ علیہ

یہ سنہ ۱۹۳۴ء کا ذکر ہے.....

فیروز پور روڈ، لاہور سے گزرنے والے کچھ لوگوں نے سنا کہ چوبرجی کے نزدیک واقع میانی صاحب قبرستان سے غم ناک چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ درد کی شدت اور آواز کا کرب مسلسل بڑھتا ہی چلا گیا۔ دل دہلا دینے والی یہ آہیں غازی علم الدین شہیدؒ کے مقبرے سے اٹھ رہی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کہہ رہے ہوں کہ ”میں تڑپ رہا ہوں..... کون ہے جو میرے لئے سامانِ تسکین ڈھونڈ لائے؟ راجپال کا ایک ہم ذوق قصور کی شاہراہوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔ کیا میرے چاہنے والے مر گئے ہیں؟..... اگر میرا کوئی جواں سال وارث زندہ ہے تو وہ خدا کے لئے تختۂ دار پر بزم رقص سجا کر مجھ سے ہم آغوش ہو جائے۔ وہ دیکھو سامنے آقا و مولیٰ ﷺ استقبال کے لئے تشریف فرما ہیں..... ہے کوئی شہیدِ رسالت، جو آپ ﷺ کی آغوش میں آجائے؟.....“

غازی علم الدین شہیدؒ کی اس پکار پر ایک خوش قسمت، باسعادت، بلند نصیب اور بہادر نوجوان ”غازی محمد صدیق“ لبیک کہتا ہے۔

☆.....☆.....☆

غازی محمد صدیق شہیدؒ کا تعلق شیخ برادری سے تھا۔ شمع نبوت کے اس شیدائی کی ولادت باسعادت سنہ ۱۹۱۴ء کے درمیان ہوئی۔ پانچ سال کا ہو جانے پر انہیں مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ چونکہ آپ

کے والد ماجد شیخ کرم الٰہی فیروز پور چھاؤنی میں، جو قصور سے قریباً پندرہ میل کے فاصلے پر ہے، پکے چمڑے کا آبائی پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے گئے۔

غازی صاحب کو چھاؤنی کے قریب ہی ایک تعلیمی ادارے میں داخل کرایا گیا، جہاں آپ تین سال تک زیر تعلیم رہے اور آٹھویں کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران آپ کے والد گرامی چند روز بیماری کے بعد جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

غازی محمد صدیق کی والدہ محترمہ کا نام عائشہ بی بی تھا۔ آپ بڑی نیک سیرت اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ عظیم ماں کے اس عظیم بیٹے کی آقا حضور کبریا ﷺ کے نام نامی سے محبت، الفت اور وارفتگی والہانہ تھی۔ لباس ہمشہ سنت کے مطابق رکھتے..... نماز تو کبھی قضاء نہ ہونے دی تھی۔ روزے کے بھی سختی سے پابند تھے۔

چھوٹی عمر میں ہی آپ نے حضرت شیخ محمد صاحب نقشبندی محلہ پیرانوالہ، نزد دہلی دروازہ (فیروز پور) کے دست پرست پر بیعت کرلی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ وہی دن تھے جب ''قصور'' کی فضائیں پالامل سنار کے غلیظ وجود سے متعفن ہورہی تھیں۔

مسمی پالامل سنار ایک دولت مند ہندو سنار تھا۔ اس کی دوکان درگاہ حضرت بلھے شاہؒ سے ذرا دور تھی۔ اس کی پشت پر ہندو ساہوکاروں کا ہاتھ تھا۔ بنیوں کے ٹولے کی حمایت کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں کی معاشی ناسازگاریوں پر بکواس کرتا تھا۔ اس نے کئی بار برملا کہا:

''قرضہ تو یہ واپس دیتے نہیں اور بنے پھرتے ہیں مسلمان''

ایک مرتبہ اس نے کہا:

''مسلمانوں کا خدا اپنے بندوں سے زکوٰۃ کی بھیک مانگتا ہے، جبکہ ان بے چاروں کو دو وقت کی روٹی بھی کھانے کو نہیں ملتی''

مسلمانوں کو چپ سادھے دیکھ کر اس کا حوصلہ روز بروز بڑھتا گیا، اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کے متعلق گالیاں بکنا اس کا معمول بن گیا۔ ہندوؤں کو اکٹھا کرکے نماز کے نقلیں اتارنا اور اپنی عجیب وغریب حرکات سے انہیں ہنساتے رہنا گویا اس کا ہر روز کا مشغلہ تھا۔

بات فحش کلامی سے بہت آگے جاچکی تھی۔

۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو جب لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو مردود مذکور نے نہ صرف نماز کا مضحکہ اڑایا بلکہ سرکارِ مدینہ ﷺ کی ذات اقدس کے متعلق نازیبا کلمات بکے۔ شانِ رسالت مآب ﷺ میں صریحاً گستاخی کی اس قبیح حرکت پر پورے شہر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ مسلم معززین کے مشورے پر محمد کلیم پیر صاحب نے عدالت میں استغاثہ دائر کردیا۔

مسٹر ٹیل مجسٹریٹ درجہ اول لاہور نے بڑی

تندہی سے اس مقدمے کی موشگافیوں کو پیش نظر رکھا۔ بالآخر فریقین کے دلائل سننے کے بعد مجسٹریٹ مذکور نے اپنے فیصلے میں لکھا:

''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملزم نے واقعی توہین رسالت مآب ﷺ کی ہے، جس سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوئے اور سخت فساد کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اس لئے پالامل کو چھ ماہ قید اور دو سو روپے جرمانہ سزا دی جارہی ہے۔''

ایک طرف پالامل کی دریدہ دہنی کا یہ ناپاک سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف شمعِ رسالت ﷺ کا ایک اور پروانہ اپنی حقیقی منزل پر روانہ ہونے کے لیے پابارکاب تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک رات حافظ غازی محمد صدیق صاحب نیند میں تھے کہ مقدر جاگ اٹھا۔ نصف شب بیت چلی تھی، جب آپ کو سرورِ کائنات، شاہ خوبانِ عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''قصور میں ایک بدنصیب ہندو پے در پے ہماری شان میں گستاخیاں کرتا چلا جارہا ہے، جاؤ اور اس ناپاک زبان کو لگام دو''۔

واہ رے محبت.....! آقا ﷺ کا حکم سن کر رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ﷺ کی حرمت وعزت کا یہ جانباز محافظ کئی روز تک شدت غم وغصہ سے پیچ وتاب کھاتا رہا۔ اس کے سینے میں جوش غضب کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں اور دل میں ایک ہی جذبہ موجزن تھا کہ جلد از جلد پہنچ کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے دشمن کو جہنم رسید کردوں۔

۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء کو غازی محمد صدیق نے اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کیا:

''مجھے خواب میں ایک دریدہ دہن کافر دکھلا کر بتلایا گیا ہے کہ یہ ناہنجار توہین رسالت کا مرتکب ہورہا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اسے گستاخی کا مزہ چکھاؤ تاکہ آئندہ کوئی شاتم ایسی جرأت نہ کرسکے۔ میں قصور اپنے ماموں کے پاس جارہا ہوں۔ گستاخ موذی وہیں کا رہنے والا ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اس ذلیل کتے کی ذلت ناک موت میرے ہی ہاتھوں واقع ہوگی اور اس کے بدلے مجھے تختۂ دار پر جام شہادت پلایا جائے گا۔ آپ دعا فرمائیں..... بارگاہِ سرکار ﷺ میں میری قربانی منظور ہو اور میں اپنے اس عظیم فرض کو اچھی طرح نبھاسکوں''

ماں نے بخوشی اجازت دے دی۔ ایک مؤمنہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا مسرت ہوسکتی ہے کہ اس کا بیٹا دین اسلام کے کام آئے۔

☆.....☆.....☆

۱۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کی شام کا واقعہ ہے..... حضرت غازی محمد صدیق دربار بابا بلھے شاہ کے نزدیک نیم کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ عقابی نگاہیں آنے جانے والوں کا بغور جائزہ

لے رہی تھیں۔ اتنے میں ایک ایسا شخص دکھائی دیا، جس نے چہرے پر کسی حد تک نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ آپ نے جھٹ اس کی راہ روکی اور پوچھا:

''تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ یہاں کیا کرتا ہے؟''

اسے اپنا نام بتانے میں تامل کیا۔ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ آپ کو تنہا دیکھ کر اسے بھی حوصلہ ہوا..... کہنے لگا:

''مسلمانوں نے پہلے میرا کیا بگاڑ لیا ہے..... اور اب کون سی قیامت آجائے گی.....؟''

یہ سنتے ہی غازی صاحب کو یقین ہوگیا کہ یہی گستاخ رسول ہے، جسے ٹھکانے لگانے پر انہیں مامور کیا گیا ہے۔

غازی صاحب نے فرمایا:

''میں تاجدارِ مدینہ ﷺ کا غلام ہوں..... کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا..... اے دہن دریدہ ملیچھ.....! آج تو کسی طرح بھی ذلت آمیز موت سے نہیں بچ سکتا!''۔

یہ کہہ کر آپ نے تہہ بند سے رمپسی (چمڑا کاٹنے والا اوزار) نکالی اور للکارتے ہوئے اس پر حملہ آور ہوگئے۔ حافظ محمد صدیق متواتر وار کئے جارہے تھے اور زور زور سے نعرۂ تکبیر لگا رہے تھے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوش قسمت نوجوان کے ہاتھوں ایک بدبخت انسان اپنے منطقی انجام تک پہنچ گیا۔

مقتول مردود کے واویلا اور غازی کے نعرۂ تکبیر سے کافی لوگ اس جانب متوجہ ہوچکے تھے۔ مگر غازی اس وقت تک ملعون ساہوکار کی چھاتی سے نہیں اترے جب تک انہیں اس موذی کی موت کا پختہ یقین نہیں ہوگیا۔ غازی کا لباس ناپاک خون کے چھینٹوں سے آلودہ ہوچکا تھا۔ ارد گرد بھی گندے لہو کے داغ ہی داغ تھے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آنے والی میڈیکل رپورٹ کے مطابق پالامل ملعون کے جسم پر چالیس زخموں کے واضح نشان تھے۔

موقع ایسا تھا کہ قتل کے بعد اگر غازی صاحب وہاں سے فرار ہونا چاہتے تو بہ آسانی ایسا کرسکتے تھے، مگر انہوں نے اپنے فرض سے فارغ ہوچکنے کے بعد وہیں دوگانہ نمازِ شکر ادا کی اور قریبی مسجد کی سیڑھیوں پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے اور وقفے وقفے سے زیرِلب مسکراتے اور گنگناتے رہے۔ اس وقت تمام ہندوؤں کے چہرے اترے اترے تھے، مگر غازی صاحب نہایت مطمئن اور سرشار نظر آرہے تھے۔

آپ کی یہ اداء مسلمانوں کی سربلندی اور غیرت مند فطرت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

☆.....☆.....☆

گرفتاری کے بعد حضرت غازی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں..... تو مردِ مجاہد نے فرمایا:

''بلاشبہ پالامل کو میں نے قتل کیا ہے کیونکہ اس ملعون نے رسول کریم ﷺ کی توہین کی تھی۔ وہ دیدہ دانستہ اس جرم کا مرتکب ہوا۔ اسے راجپال اور غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا بھی بخوبی علم تھا۔ اس نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے خود کو سزا کے لئے پیش کیا۔ اگر اس واقعہ (شانِ رسالت میں گستاخی) پر بیس سال بھی گزر جاتے تب بھی میں اسے ضرور بالضرور واصل جہنم کرتا۔

ہمارے مذہب کے مطابق وہ ہرگز مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے، جو نبی ﷺ کی توہین سن کر خاموش رہے اور عصمتِ رسول ﷺ پر جان قربان نہ کرے۔ کسی اور شخص کی ذات کا مسئلہ ہو تو برداشت ہوسکتا ہے، دنیوی امور میں کسی بھی فرد کی شان میں بکواس پر چپ رہا جاسکتا ہے، لیکن سرکارِ مدینہ ﷺ کے مقام و مرتبہ پر ہرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف غیض و غضب، جوش و ولولہ اور غصہ کسی حالت میں بھی کم نہیں ہوسکتا۔

میں نے جو کچھ کیا، خوب غور و فکر کے بعد غیرت دینی کے سبب اپنے رسول ﷺ کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے کیا ہے۔ اس پر مجھے قطعاً افسوس یا ندامت نہیں، بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، چاہے دے دے۔ مجھے قطعاً حزن و ملال نہ ہوگا۔ مگر جب تک ہمیں شہنشاہِ مدینہ ﷺ کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان بزمِ دار و رسن میں چراغِ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے؟..... میں تو آپ ﷺ کی خاکِ قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ، ایمان اور عشق و وجدان یہی کہتا ہے کہ گویا ابھی حق غلامی ادا نہیں ہوسکا''۔

☆.....☆.....☆

سیشن کورٹ میں فیصلے کے دن حضرت حافظ صاحبؒ کی والدہ نے اپنے جواں سال بیٹے کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلے کے ساتھ فرمایا:

''میں خوش ہوں..... جس رسول ﷺ کی شان کے تحفظ کے لئے تم قربان گاہ پر جارہے ہو..... اس محبوب ﷺ کی شان قائم رکھنے کے لئے مجھے تم جیسے بیس بیٹوں کی قربانی دینا پڑے تو رب کعبہ کی قسم! کبھی دریغ نہ کروں.....؟''

عدالت سے سزائے موت سننے کے بعد خود غازی محمد صدیق بھی بے انتہاء خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ والدہ محترمہ کے ان ایمان پرور الفاظ کو سنتے ہی آپ نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور والدہ سے عرض کیا:

''میں نے پالامل کو قتل کرکے اپنے نبی ﷺ کی شان قائم رکھنے کے لئے جو قربانی پیش کی ہے، اس کی خاطر اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی جینا

پڑے تو تب بھی ہر دفعہ ناموسِ رسالت ﷺ پر پروانہ وار فدا ہوتا رہوں گا اور اسے صدق دل سے اسے اپنا فرض عین سمجھتا ہوں"۔

☆.....☆.....☆

حافظ غازی محمد صدیقؒ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا:

"مجھے صرف قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سے انس ہے۔ آپ بھی ہمیشہ انہی سے لَو لگائے رکھیں۔ میری قبر پر کبھی کوئی خلافِ شرع عمل نہ کیا جائے اور نہ اس کی اجازت دینا۔ نیز قوالی بھی نہ ہو کہ اس کی ممانعت ہے۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ خدانخواستہ اگر پھر بھی کوئی گستاخ رسول جنم لے تو میرے متعلقین میں سے ایک نہ ایک فرد اس باطل علامت کو ٹھکانے لگا دے"۔

تختۂ دار پر آپؒ کی زبان پر آخری الفاظ یہ جاری تھے:

"میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی عظمت کے تحفظ کے لئے مجھ ناچیز کو کروڑوں مسلمانوں میں سے منتخب فرمایا"

قربان گاہ میں خونِ دل سے مشعل وفا کو فروزاں رکھنے والے اس خوبرو مجاہد کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔

☆.....☆.....☆

شہید رسالت کا عظیم منصب عطا ہونے پر حافظ غازی محمد صدیق کی والدہ صاحبہ نے دیگر خواتین کو بھی اس موقع پر چیخ و پکار سے سختی کے ساتھ منع کر رکھا تھا۔ جب کوئی عورت تعزیت کی غرض سے ان کے پاس آتی تو آپ فرماتیں:

"اس موقع پر غم و اندوہ کا کیا جواز ہے؟ حضور ﷺ پر قربان ہونا تو خوشی کا مقام ہے"۔

☆.....☆.....☆

حافظ محمد صدیق شہیدؒ کا جنازہ عیدگاہ کے قریب اسلامیہ ہائی سکول قصور (موجودہ بوائز ڈگری کالج) کے ہال میں رکھا گیا، جہاں ان گنت مسلمان پرنم آنکھوں سے شہید کی زیارت سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔

ٹھیک ایک بجے جنازہ اٹھایا گیا اور جلوس کی صورت میں نصف میل کا فاصلہ پورے تین گھنٹے میں طے ہوا۔ نمازِ جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی، جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ جنازے کو کندھے دینے کے لئے چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیے گئے تھے۔ آپ کے جسدِ مبارک کو قبرستان میں پہنچایا گیا اور شام چھ بجے سپردِ خاک کر دیا گیا۔

رحمۃ اللہ علیہ

☆.....☆.....☆

وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور خلافت تھا۔سن گیارہ ہجری کا زمانہ تھا۔جنگِ یمامہ کا میدان سج گیا تھا۔مسلمانوں کے لشکر میں مہاجرین اور انصار کے علم الگ الگ لہرا رہے تھے۔

انھوں نے مہاجرین کا علم تھاما ہوا تھا۔جنگ شروع ہوئی تو وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ان کی زبان پر دو آیات جاری تھیں:

"وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر"

(اور بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر اللہ کے اولیاء نے جہاد کیا۔)

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔"

اور محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں،ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔

وہ بہادری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ جنگ کے دوران ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور وہ گر گئے۔جب آخری وقت آ پہنچا تو قریب بیٹھے لوگوں سے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا:"فلاں کا کیا بنا؟"

لوگوں نے بتایا:"وہ شہید ہو گئے۔"

کہنے لگے:"مجھے ان کے ساتھ لٹا دو۔"اس طرح وہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ایران سے تعلق رکھتے تھے۔مکہ مکرمہ میں غلام بن کر آئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد آزاد کر دیے گئے۔انھوں نے ابتدائے اسلام میں ہی کلمہ پڑھ لیا تھا اور حضور ﷺ

کے ساتھ رہنے لگے تھے۔انھوں نے آپ ﷺ سے قرآن پاک سیکھا اور پھر وہ دن آیا جب انھیں قرآن پاک کا بڑا قاری قرار دیا گیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہوا تھا کہ تم لوگ قرآن ان سے سیکھا کرو۔جب وہ مدینہ ہجرت کر کے آئے تو قبا کی مسجد میں مسلمانوں کی امامت فرماتے رہے۔ان کی تلاوت سن کر راہ چلتے لوگ بھی ٹھٹک کر رک جاتے تھے۔

ایک بار وہ تلاوت فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے،تلاوت سن کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں تم جیسے آدمی کو بھیجا۔''

ان کی شہادت کے بعد لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ:''چوتھائی قرآن رخصت ہوگیا۔''

نوٹ:ان صحابی رسول ﷺ کا نام بتائیں اور معرفت صحابہ حاصل کریں۔

☆.....☆.....☆

وہ کون تھے شمارہ ذی الحجہ کا درست جواب:

حضرت عبادہ بن صامتؓ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ کے انعام یافتہ

بنت کمال۔کراچی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

ارم عزیز۔محمد انس۔بنت شفیق۔احمد بن محمد۔عبدالکریم۔قاری عتیق الرحمن۔
محمد حذیفہ۔زوجہ محمد شفیق۔منیر احمد۔حبیب الرحمن۔عبدالماجد۔عبداللہ۔
بنت عزیر احمد۔ولیجہ بنت شاہد چیمہ۔محمد یامین۔غلام اکبر۔عبدالوہاب۔
حمنہ بنت محمود۔میمونہ ارم۔عائشہ اکرم۔محمد صلاح الدین۔محمد قاسم۔

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبَلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھکڑ صاحب

مدیر محترم کی ٹوکری سے بچنے کا کوئی طریقہ بتائیے؟

☆ طریقہ یہ ہے کہ یا تو ایک کام چھوڑ دیں یا ایک کام شروع کر دیں۔

☆.....☆.....☆

یہ بھی بتائیے کہ آپ کی عید کیسی گزری؟

☆ خون کی ندیوں اور گوشت کے پہاڑوں میں گزری الحمدللہ

(نسیمہ احمد، بہاولنگر)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

یہ آسمان اتنا نیلا کیوں ہے؟

☆ کتنا نیلا ہے؟

(انیلہ شفیق)

☆.....☆.....☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

موٹاپے کو کم کرنے کا سب سے بہترین علاج کیا ہے؟ ضرور بتائیں۔

☆ اپنے سے موٹے لوگوں میں اٹھا بیٹھا کریں۔

(علی عمران، فیصل آباد)

☆.....☆.....☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

اچھا لکھاری بننے کے لئے کوئی دیسی نسخہ تجویز کریں۔

☆ دیسی قلم سے دیسی کاغذ پر دیسی زبان میں دیسی مسائل کے دیسی حل لکھا کریں۔

(محمد کاشف جدون)

☆.....☆.....☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

بکرے میں سب سے اچھی چیز کیا کھانی چاہئے؟ جس سے بہت فائدہ ہو۔

☆ ہر شخص کے لئے مختلف ہے آپ کے لئے دماغ تجویز کرتا ہوں۔

(بنت ابوبکر)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

ملک کے طول و عرض میں شدید بارشیں ہیں۔ سنا ہے آپ کا مکان تو انتہائی اونچائی پر ہے آپ کو مسئلہ تو نہیں ہوا ہو گا نا؟ ہمارا تو برا حال ہو گیا۔

☆ بارش کا تو مزہ ہی ہمارے دانش کدہ میں ہے۔

(زوجہ محمد شفیق)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

میں جب بھی لکھتا ہوں میرے ہاتھ کانپتے ہیں اور جب بھی کسی سے بات کرتا ہوں تو بدن کانپتا ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

☆ موٹر سائیکل پر موبائل استعمال نہ کیا کریں۔

(علی احمد، نشتر کالونی ملتان)

☆.....☆.....☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ کا نام اتنا بڑا ہے جسے لکھتے ہوئے ہمارے پن کی سیاہی سوکھ جاتی ہے، اپنا کوئی نکِ نام ہی رکھ لیں؟

☆ محترم آپ ایسا کریں کوئی اچھا قلم لے لیں ہمارے نام کے درپے نہ ہوں۔

(ہمشیرہ محمد احمد، سکھر)

☆.....☆.....☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

میرے سبھی دوست ایک دن دشمن بن جاتے ہیں۔ کیا کریں؟ کچھ سمجھ نہیں آرہا۔

☆ اس ایک دن ان سے دور چلے جایا کریں۔

(نور احمد، کراچی)

☆.....☆.....☆

جناب بوجھ بجھکڑ جی!

اگر آپ کو کراچی کا میئر بنا دیں تو آپ سب سے پہلا کام کیا کریں گے؟

☆ استعفیٰ دوں گا۔

(ارسلان شیخ، کراچی)

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ ”مسلمان بچے“ کے تمام قارئین کرام وقاریات اور خاص طور پر امیر محترم اور مدیر صاحب خیریت سے ہوں گے اور اللہ باری تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر میں مصروف ہوں گے۔

جون کا شمارہ زبردست رہا۔ سب سے پہلے

سرورق پر نظر پڑی تو دل خوش ہوگیا۔ اس کے بعد فہرست دیکھی تو کئی لکھاری غائب تھے اور زبیر طیب صاحب کے بعد تو رسالے کی رونق ہی ادھوری ہوگئی ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ جلد ہی ایک نئی کہانی کے ساتھ حاضر ہو کر ہماری عید کو یادگار بنا دیں۔

امید اور یقین ہے کہ بہت جلد ایک شاندار مستقبل سلسلے کے ساتھ حاضر ہوں گا۔ اس شمارے کی سب سے اچھی کہانی کونسی تھی؟

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ اچھا زیادہ سوچیں مت میں ہی بتائے دیتا ہوں کہیں آپ سوچ سوچ کر اپنا دماغ ہی خالی مت کر ڈالیے۔

تو میرے مطابق اس شمارے کی سب سے زبردست کہانی جس کی مصنفہ تسلیمہ موسیٰ ہیں۔

یقیناً اب تو آپ سمجھ چکے ہوں گے یعنی اس کہانی کا نام ہے ”میں حج کروں گی“

اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور کہانی ہو تو کوئی نہیں لیکن ہمیں اپنی رائے کا حق ہے اس لیے معاف کیجئے گا، ”واردات“ کافی دلچسپ تحریر تھی

''محمد فیصل علی'' کی تحریر بھی شاندار تھی ''ابو شفاء'' کا سلسلہ ''راز سربستہ'' بھی اچھا جا رہا ہے، اس کے علاوہ رسالے میں کوئی تھوڑی بہت مزاحیہ تحریر بھی ہونی چاہیے۔

''وہ کون تھا؟'' حمیرا علی کی ایک زبردست کہانی تھی، اس کے ساتھ ہی دیجیے اجازت!!

اللہ حافظ، دعاؤں کا طلبگار

محمد عمیر ثناء ڈیرہ قدیم

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پکی امید ہے کہ رسالہ کے تمام کارکن لکھاری اور قارئین خیریت سے ہوں گے اور اللہ آپ کو خیریت سے رکھے اور قابل صد احترام مدیر صاحب کی اس کاوش کو اللہ اپنے دربار عالیہ میں قبول فرمائے۔

اس رسالہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ماشاء اللہ تمام لکھاری حضرات بہت محنت سے کام کرتے ہے اللہ اسکو جاری رکھے اور امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر کی تحریر تو رسالہ میں ایسے ہے جیسے سونے پر سہاگہ اور اللہ امیر المجاہدین کے اس بابرکت سایہ میں اہل حق کا یہ رواں دواں قافلہ اپنے منزل مقصود کو پہنچائے اور اللہ امیر محترم کو لمبی عمر عطاء فرمائیں اور اللہ امیر محترم کے زندگی میں کشمیر کو آزادی نصیب فرمائے۔ اللہ تمام مجاہدین کو اپنے حفاظت میں رکھے۔ میں عرصہ دراز سے اس رسالہ کی قاریہ ہوں لیکن خالہ سعدیہ رسالہ میں نظر نہیں آئی۔ خالہ سعدیہ جہاں بھی ہوں جلدی آئیں پہلی بار لکھنے کی جسارت کی اسلئے قلم بھی جذبات کیساتھ بہہ گیا ہے۔ اسکی معافی چاہتی ہوں۔

والسلام

بقلم ام بدر

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ خیریت سے ہونگے اور اگلے شمارے کی تیاریوں میں مصروف ہونگے۔

محترم مدیر صاحب! آدھی ملاقات میں دوسری بار شرکت کر رہے ہیں، امید ہے کہ خط شائع کر کے مزید حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

ماشاء اللہ! رسالہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ تمام لکھاری خوب لکھ رہیں ہیں، ہم اس رسالے سے بہت اہم اور ضروری معلومات بھی حاصل کرتے ہیں۔

اسکے علاوہ رسالہ ہمیں سرفروشی وجانثاری، جہاد وقربانی اور تجدید وانقلاب کیلئے روحانی وقلبی قوت، حوصلہ وہمت، روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت وعبادت اور دلچسپ اور روشن ماضی کی آئینہ داری جیسی عظیم وحسین خوبیاں بھی فراہم کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس پیارے رسالے ''مسلمان بچے'' کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائیں اور آپ جیسے عظیم شخصیتوں کو لمبی عمر عطا فرمائیں۔

محترم قارئین کرام! ہم سب کو معلوم ہے کہ

قتال، اللہ تعالیٰ کے فرائض کردہ احکامات میں سے ایک ضروری اور عظیم حکم ہے اور اس جہاد کے ذریعے سے ہی ان تمام فرائض کی حفاظت ممکن ہے۔

لیکن اس بات کی بخوبی واقفیت کے باوجود چند مغربی طاقتوں سے مرعوب اور جاہل لوگوں نے اس عظیم امر کے بارے میں اپنے دلوں میں مختلف قسم کے غلط خیالات بیٹھا رکھے ہیں

کوئی اسے دہشتگردی قراد دیتا ہے تو کوئی اسے بدامنی کا ایک سبب قرار دینے پر تلا ہوا ہے جبکہ کچھ طاغوتی پروانے تو یہ کہہ کر اپنے آپ کو خود دھوکہ میں ڈال رہے ہیں کہ یہ جہاد تو رسول اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی زمانے تک ہی محدود تھا اب تو اسکی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (نعوذ باللہ)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو جہاد کی حقیقی معنی اور شرعی حکم کی سمجھنے اور اس مبارک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

ڈھیر سارا اسلام اور دعاؤں کی درخواست۔

والسلام

ذیشان تبسم (حمیتیاں)

☆.....☆.....☆

السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے مزاج بخیریت ہوں گے اور اپنے کام میں مصروف ہوں گے۔۔اپنے اندر بہت کچھ سموئے ہوئے تھا، چھوٹی جسامت کے باوجود آج آپ سے ایک عدد شکایت نہیں شکوہ، نہیں نہیں، ہاں ہاں یاد آیا آپ کی خدمت میں دردمندانہ، عاجزانہ، فقیرانہ، حقیرانہ سی التجا یعنی درخواست چلیں عرض سمجھ لیں وہ یہ ہے کہ میرے اس خط کو بغیر ردوبدل کے شائع فرمادیجئے۔

آپ کی خدمت میں ایک عدد کہانی ارسال ہے۔امید ہے اسے بھی شائع کریں گے۔

ہم رسالے کی ترقی کیلئے ہر لمحہ ہر گھڑی سفر میں، رات کو، صبح کو، دوپہر کو، شام کو، سورج ڈوبنے کے بعد، نکلنے سے پہلے دعائیں، التجائیں اپنے اللہ سے کرتے رہتے ہیں۔

سنا ہے جانباز کتابی شکل میں شائع ہوگئی ہے اس کے بارے میں ہمیں آگاہی کیسے ملے گی اور ہم تک اس کی رسائی کیسے ممکن ہے؟

زبیر طیب صاحب سے گزارش ہے کہ جلد از جلد کوئی نیا سلسلہ شروع کریں۔

حضرت امیر صاحب حفظہ اللہ کی تحریر سب سے کمال اور زبردست ہوتی ہے، ان جیسا کوئی ہیں اور نہ ان جیسی تحریر کا ملکہ کسی کے پاس! ہم تو بس ان جیسا بننے کی خواہش کرسکتے ہیں۔

بہرحال کہانی لکھی ہے ضرور موقع دیجئے گا۔

خط کی طوالت پر دل و دماغ اور جسم و جان سے معذرت خواہ ہیں۔

والسلام

نور احمد خان، علی پور

☆.....☆.....☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام قارئین کرام، محترم مدیر صاحب اور مسلمان بچے کی پوری ٹیم

خیر وعافیت سے ہوگی۔ ذی الحجہ کا رنگا رنگ چمکتا دمکتا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔

بھائی محمد فیصل علی کی تحریر سرورق کو رونق بخشے ہوئے تھی۔

ماشاء اللہ ہمیشہ کی طرح عمدہ تحریر تھی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" دانیال بھائی بھی شانِ حضرت میمونہؓ کیساتھ حاضر خدمت تھے۔

ام عبداللہ کی، ابابیلیں آیا چاہتی ہیں" بہت خوب صورت تھی۔ بیگم ناجیہ شعیب احمد کی تحریر "خطرناک بھیڑے" ایک سبق آموز تحریر تھی۔

ابوشفاء معلومات سے بھرپور تحریر شاہکار مساجد کیساتھ جلوہ افروز تھے۔ انکی تمام تحریریں ہی دلچسپ اور معلومات سے بھرپور ہوتی ہیں۔

امیر محترم حفظہ اللہ کی تحریر "جاپانی دجال" ہمیشہ کی طرح جان دار شاندار تھی۔

تحریروں کی دنیا میں اس بار اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ آرٹ بھی سبھی کی بہترین تھیں۔ رسالے کی جان جناب دانشمند صاحب" بوجھ بجھکڑ" نے اپنے دلچسپ جوابات سے خوب محفوظ کیا۔ آپکی دانش کا کوئی جواب نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقیاں عطاء فرمائے آمین۔

جانباز کے کتابی شکل میں شائع ہونے پر بھائی زبیر طیب کو ڈھیروں مبارکباد۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین

اور آخر میں امیر محترم حفظہ اللہ تعالیٰ، مولانا منصور احمد حفظہ اللہ، بھائی زبیر طیب، بھائی فیصل علی، کو عقیدت بھرا سلام اور دعائیں پہنچے۔

والسلام

تسلیمہ موسیٰ

☆.....☆.....☆

بوجھیں تو جانیں

(۱) نیچے سے اوپر جاتی ہے اوپر سے نیچے آتی ہے۔
آپ کا سارا بوجھ اٹھا کر یونہی نیچے آجاتی ہے۔

(۲) نیچے سے جب اوپر جائے پھر کیسے نیچے آئے؟

(۳) دیکھا ایسا ایک مکان، بارہ ہیں جس کے دالان، ہر دالان میں کئی جوان، سب کی ادنی ادنی شان؟

(۴) دیکھی ہم نے ایک مشین کھانے پینے کی شوقین
جب چاہو وہ کھولے پیٹ اس میں لے ہر چیز سمیٹ

(۵) فٹ بھر ہے اس کی لمبائی، کل دنیا اس میں سمائی

جواب۔ ۱) سیڑھی ۲) دھواں ۳) سال اور مہینے ۴) فریج ۵) دنیا کا نقشہ

آرٹ گیلری

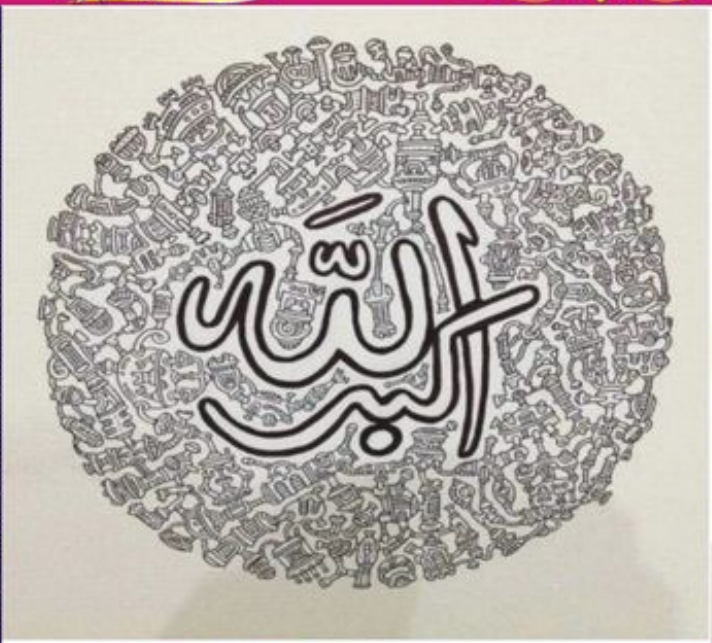
اللہ اکبر

انجان

خالد شہید
کسکی شوخ جوانی تھی جو جام شہادت پی کسکی
تیر کسکا لہو کی خوشبو سے شہداء کی بستی مہکی
بقلم: جاوید

بے شک مومن کا سب سے افضل جہاد فی سبیل اللہ ہے
الجہاد
بسم اللہ الرحمن الرحیم
انما المؤمنون
الذین امنوا
باللہ ورسولہ
ثم لم یرتابوا
وجھدوا
یا ایھا الحمد و
انفسھم فی
سبیل اللہ اولئک
ھم الصدقون
الحجرات ۱۵
إِنَّ أَفْضَلَ عَمَلِ الْمُؤْمِنِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ترجمہ: بس (سچے) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہ کیا، اور انہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی سچے (مومن) ہیں۔ ۱۵ الحجرات
سلیمہ موسیٰ

Made By Tassleema Mousa

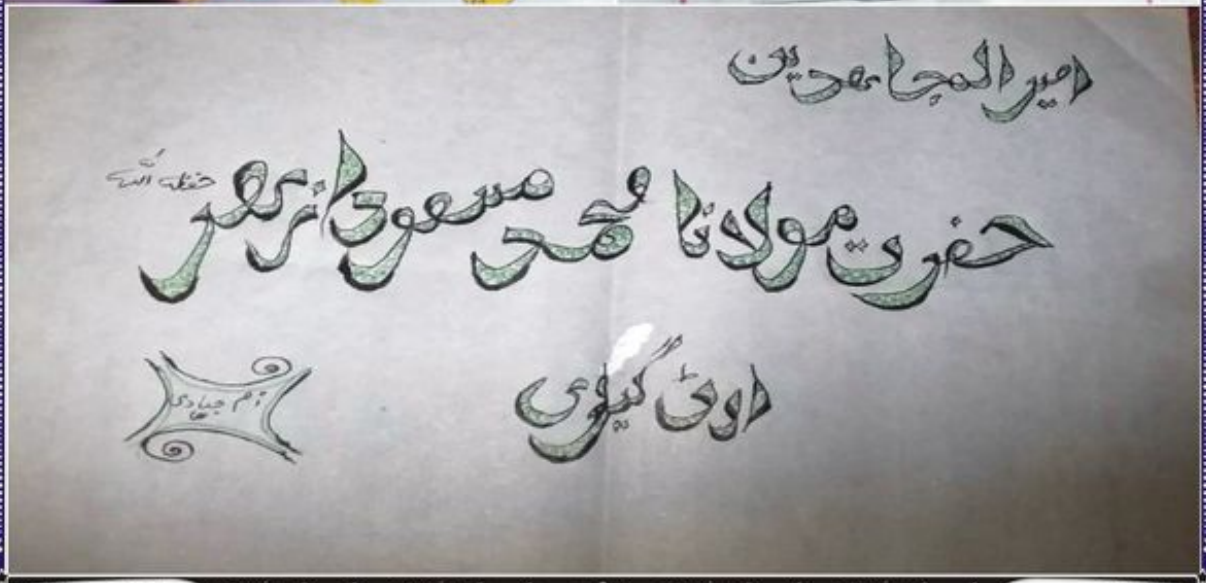
امیر المجاہدین
حضرت مولانا محمد مسعود اظہر حفظہ اللہ
از قلم جہادی
اوچ گیلوی

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خولہ احمد
کراچی

الحمد للہ

انور جمیلؔ

آ کھڑی ہیں سازشیں راہوں میں سینے تان کر
اے مجاہد تو بھی اپنے ولولے طوفان کر!

آج پھر طاغوت نے شب خون مارا ہے یہاں
دین و ملت کے تحفظ کے لیے سامان کر

اے وفا پرور مسلماں، کچھ تو احساس جنوں
بارگاہ کفر میں خود کو نہ یوں قربان کر

اپنا ایماں خوف باطل سے چھپا رکھا ہے کیوں؟
دین حق کی عظمتوں کا برملا اعلان کر!

کب تلک سوتا رہے گا مصلحت کی سیج پر
کھول آنکھیں، دوست دشمن کی تو پہچان کر!

غرقِ اسباب و وسائل ہیں اگر تو کیا ہوا
غیرت ایماں سے اہل کفر کو حیران کر

خار زار طرز افرنگی میں کیوں الجھا ہے تو؟
اسوہ حسنہ پہ چل کے زندگی آسان کر!

چھوڑ نادانی، نہ بن طاغوت کا آلہ کار!
گلشن ملت کو انورؔ خود نہ یوں ویران کر

اے وفا پرور مسلماں!